CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

© جُملہ حقوق بحقِ مُصنّف محفوظ

○ نام کتاب ———— دھوپ کے ٹکڑے (افسانے)

○ مُصنّف ———— اُدے سُرن ارمان

○ صفحات ———— ۱۳۲

○ اشاعتِ اوّل ———— ۵۰۰ ———— ۱۹۹۷ء

○ ناشر ———— اُدے سُرن اُرمان

○ ترقیم ———— محمود علی سنبھلی

○ طباعت ———— جے۔ اے۔ آفسیٹ پرنٹرز دھلی

○ قیمت ———— پچاس روپے 50/=

ملنے کے پتے

○ سُبھاش کمار شرما۔ "اُدے پیلس"۔ اسٹیشن روڈ۔ بلاری۔ ۲۰۲۴۱۱، ضلع مُرادآباد۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

◎

فلک پر ابرِ رحمت نے کیے ہیں دھوپ کے ٹکڑے
یہاں ارمانؔ صاحب نے دیے ہیں دھوپ کے ٹکڑے

اُستادِ محترم جناب گرُبرن لال صاحب ادیبؔ لکھنوی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

تعارف

- نام ———— اُدے سرن شرما
- تخلص ———— ارمان
- ولدیت ———— جناب منشی لال شرما
- ولادت ———— ۷ر جون ۱۹۳۲ء۔ منڈیا راجہ
- تلمذ ———— حضرت گرسرن لال ادیب لکھنوی
- سکونت ———— قصبہ بلاری۔ ضلع مرادآباد
- مشاغل ———— طب اور کاشت کاری
- تصنیفات ———— آشیرواد (ہندی ناول) ۱۹۶۲ء

مسلمان کا مندر (ہندی ناول) ۱۹۶۶ء

راز و نیاز (نظمیں) ۱۹۷۴ء

ساز و آواز (نظمیں) ۱۹۷۵ء

ارمانِ دل (قطعات) ۱۹۷۷ء

آئینے (قطعات) ۱۹۷۹ء

مان سرودر (ہندی، اردو، انگلش تینوں زبانوں میں افسانوی مجموعہ) ۱۹۸۲ء

ہر بار کہا دل نے (افسانوی مجموعہ) ۱۹۸۴ء

کرنوں کے پدچن (ہندی مجموعہ مضامین) ۱۹۸۹ء

دھوپ کے ٹکڑے (افسانوی مجموعہ) ۱۹۹۷ء

- اعزازات وانعامات ———— "مان سرودر" اور "ہر بار کہا دل نے" پر اترپردیش اردو اکادمی اور بہار اردو اکادمی سے انعامات

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

انتساب

محترمہ نعیمہ ضیاءُالدّین

کے

نام

ادے سرن ارمان

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

مجھے ذاتی طور پر جس چیز نے بہت زیادہ متاثر کیا وہ آپ کے فن کا وہ اُفق اور کمال ہے کہ جس سے بیشتر مرد فن کار قطعی طور سے بے بہرہ ہیں۔ آپ کے ہاں بھی ماحول کی اُسی سادگی، پاکیزگی اور سچائی کا عنصر جا بجا ملتا ہے جو انسانی زندگی کا اصل پر تو ہے۔

نعیمہ ضیاء الدین۔
آئزن برگ (جرمنی)

میں نے ڈاکٹر ارمان کے ۲۱ افسانوں کا مجموعہ "مان سَروَر" لفظ بہ لفظ پڑھا ہے۔ آپ منشی پریم چند کی طرح کامیاب افسانہ نگار ہیں۔ زبان سادہ اور با اثر ہوتی ہے۔ دیہاتی زندگی، ہندو مسلم اتحاد، قومی یک جہتی، مانو پریم اُن کے خاص موضوع ہوتے ہیں۔

باوا کرشن گوپال مغموم
نیو جرسی۔ (امریکہ)

ڈاکٹر ارمان منشی پریم چند کی روایت کے علم بردار ہیں۔ اُنھوں نے بھی دیہاتی زندگی کے نمائندوں کو کردار بنایا ہے۔ اُن کے افسانوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صحیح اور مناسب کردار نگاری میں مکمّل طور پر کامیاب ہیں۔ اُن کے افسانوں سے سُدرشن، علی عبّاس حسینی اور اعظم کریلوی جیسے فن کاروں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ کردار نگاری کا فن ارمان کے افسانوں میں بھی دیگر اچھے افسانہ نگاروں کی طرح بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہ ایک کامیاب افسانہ نگار ہیں۔

شرر غازی پوری۔ پورٹ بلیر۔ جنوبی انڈمان

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

اگر ڈاکٹر اُدے سَرن ارمَان کے افسانوں کو نام ہٹا کر کسی کو سُنایا جائے تو سننے والا فوراً کہہ اُٹھے گا کہ یہ مُنشی پریم چند کے افسانے ہیں لیکن تقلید نہیں اُن کا اپنا سوچا سمجھا اسلوب ہے۔ اُن کے افسانوں میں پیار، محبّت، خلوص، نیکی، قربانی، رواداری اور انسانیت کے جذبات کی پاسداری پائی جاتی ہے۔ مقصد ہر جگہ نمایاں ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں سب لوگ پیار کی ڈوری سے بندھے رہیں

مُمتاز احمد خاں

ماہ نامہ "افکار" کراچی۔(پاکستان)

ڈاکٹر اُدے سَرن ارمَان کے افسانے تمام مقصدی ہیں اور نچلے طبقے کے دُکھ دَرد کو نمایاں کرتے ہیں۔ جہاں تک اُن کی افسانہ نگاری کا تعلق ہے، وہ ایک اچھے افسانہ نگار ہیں۔ وہ ایک دَردمند دِل رکھتے ہیں اور سماج میں پھیلی ہوئی بے راہ رَوی اور مُروّج بے انصافیوں پر کسی پیشہ ور مقرّر کی طرح نہ سہی ایک معصوم بچّے کی طرح کچھ کہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

نسیم احمد

ماہ نامہ "انکشاف" ڈھاکا (بنگلہ دیش)

میں تین ماہ تک بھارت میں ڈاکٹر ارمَان کے مکان پر مہمان کی حیثیت سے رہی۔ میں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا۔ وہ بہت ہی خوش اخلاق، ذہین، چُست پھرتیلے محنتی، ہنس مکھ اچھے شاعر اور بہترین افسانہ نگار ہیں۔ اُنھوں نے دیہاتی زندگی کی سچّی تصویر کھینچی ہے۔ عالمی محبت اور آپسی بھائی چارگی کا راگ الاپا ہے، ظلم و تشدّد کے خلاف آواز اُٹھائی ہے۔ قومی یکجہتی کے گُن گائے ہیں۔ جس مصنّف میں یہ خوبیاں ہوں تو وہ مکمّل اور کامیاب تخلیق کار مانا جاتا ہے۔ "مان سَرووَر" اُن کا سب سے پہلا

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

افسانوی مجموعہ ہے جو اُردو، ہندی اور اِنگلش تینوں زبانوں میں چھپ چکا ہے
میں نے اِنگلش ایڈیشن پڑھا ہے۔

مِس جوآنا مائرس کف
(انگلینڈ)

ڈاکٹر ارمان نظم، قطعات متفرق اصناف سخن ناول افسانے وغیرہ میں بات کہنے
اور لکھنے پر قادر ہیں۔ ان کے افسانے میرے مزاج کے مطابق نکلے۔ ارمان صاحب
کا افسانوں میں اصلاحی اور تعمیری پہلو پر نظر رکھنا مجھے بہت بھایا۔ زبان شستہ و رفتہ
نہ فارسی اور سنسکرت الفاظ سے بوجھل، نہ عامیانہ پھبتیوں کی آمیزش سے ارفع
مذاق کے لیے ناقابلِ برداشت۔ افسانے کے خاتمے پر تاثر دیتے ہیں کہ ارمان
صاحب اعلیٰ اور صالح قدروں کے انبار لگاتے چلے جا رہے ہیں اور چاہتے ہیں
کہ معاشرہ انھیں اپنے آپ میں کلیتاً جذب کرے۔

کالی داس گپتا رضا
(بمبئی)

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

حرفِ چند

ہے رُوحِ علم و ادب، فکرِ صالحہ کی جان۔
مُحبِ اُردو ہے بیکس اُدے شرن ارمانؔ (ناوک حمزہ پوری)

ڈاکٹر اُدے شرن[1] ارمانؔ وہ باوقار اور لائق تعظیم و تکریم نام ہے جو گذشتہ قریباً نصف صدی قبل اردو ادبیات کے افق پر طلوع ہوا اور تادمِ تحریر اپنی ادب تاب اور صحت بخش شعاعوں سے دل و نظر کے لیے سامانِ رحمت و رافت بنا ہوا ہے۔ یوں جناب 'اُدے' (طلوع) فی المعنی اُدے ہیں۔

ارمانؔ صاحب مجھے کئی جہتوں سے محبوب ہیں۔ اُردو کا ایک ادنیٰ خادم میں بھی ہوں اور ایک بڑی وجہ انھیں پسند کرنے بلکہ اُن کو لائقِ تعظیم جاننے کی میرے نزدیک جناب اُدے کا وہ عشق ہے جو انھیں اُردو زبان سے ہے۔ ان کا وہ احسان ہے جو انھوں نے اس زبان اور اس کی ادبیات پر کیا ہے۔ اُردو کی خدمت گزاری کا دعویٰ کرنے والے بہتیرے ہیں لیکن اُن میں سے بیشتر نے اُردو کو بھنایا ہے۔ اُردو سے اُن کی وابستگی پر انھیں ان کا پیٹ مجبور کرتا رہا ہے۔ نام گنوانے سے تلخی پیدا ہوگی کیوں کہ "ان میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں۔" اور میرا مقصد فی الحال یہ نہیں ہے۔ میں صرف اس حقیقت سے پردہ سرکانا چاہتا ہوں کہ جناب اُدے شرن

---

[1] خوش قسمتی یا بد قسمتی سے میں غلط العام فصیح کا زیادہ قائل نہیں اور چاہتا ہوں کہ جو الفاظ صحت کے ساتھ برتے جا سکتے ہوں، انھیں برتنا چاہیے۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ارمان نے اُردو سے کسی ذاتی فائدے کے لیے نہیں بلکہ بے غرض عشق کیا ہے ، بے لوث محبّت کی ہے ۔ اس طرح اگر تاریخِ ادبیات اُردو بے وفائی نہ کرے اور محسن کشی اس کا شیوہ نہ ہو تو وہ جناب اُدے شنکر ارمان کو ہمیشہ اپنے عاشق صادق اور بے غرض محسن کے روپ میں یاد رکھے گی ۔

دوسرا پہلو جناب ارمان کے قلمِ حقیقت نگار کی فنکاری کا ہے ۔ اس باب میں دوسرے کئی ناقدین نے انھیں منشی پریم چند اور کرشن چندر نیز سمرسٹ ماہم گورکی چیخوف اور ٹالسٹائی وغیرہم سے تقابلی مطالعے کا موضوع بنایا ہے ۔ اس سے زیادہ مسرّت و اطمینان کی بات اور کیا ہو سکتی ہے ۔ لیکن مجھے اس سے زیادہ کچھ لینا دینا نہیں ۔ میری نگاہ میں یہ حقیقت بہت واضح ہے کہ دُنیا کا کوئی فرد کسی دوسرے فرد کی ہو بہو نقل نہیں ہو سکتا ۔ یوں جناب اُدے شنکر ارمان کی فنکاری میں مجھے ہر جگہ ان کی اپنی انفرادیت اور کہنا چاہوں گا کہ لائقِ ستائش انفرادیت بہت نمایاں نظر آتی ہے ۔ اس پُر آشوب دور میں جب کاروبارِ دُنیا بشمول ادب جھوٹ اور لغویات کے سہارے نامعلوم منزل کی طرف دوڑا جا رہا ہے ۔ جناب ارمان نے صداقت کا علم بلند کر رکھا ہے ۔ زیبِ داستاں کے لیے تخیلات کے فرضی پر لگا کے اُڑنے کی بجائے انھوں نے سچ کے پاؤں کے سہارے اپنی زمین سے جڑے رہنے کا جرأت مندانہ حوصلہ دکھایا ہے ۔ جو کچھ دیکھا ، بھوگا ، تجربہ کیا ، محسوس کیا ، اس کو اس کے تمام حُسن و قبح کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر بکمال دیانت داری اُتار دیا ہے سچ بولنے ، لکھنے کا ایسا عزم و حوصلہ کم ہی ادیب و شاعر کو میسّر ہوتا ہے ۔ جناب اُدے کی یہ سب سے بڑی انفرادیت ہے ۔

جناب اُدے شنکر ارمان کی محبوب شخصیت کا ایک دلکش پہلو ان کی انسان دوستی اور الخلق عیال اللہ پر ان کا اعتماد ہے ۔ گہما گہمی سے معمور آج کی دُنیا میں یہ سوچنے کا نہ کسی کے پاس وقت ہے نہ دماغ کہ آخر تخلیقِ انسانی کا سبب کیا ہے ۔ ایسی فضا اور ایسے معاشرے میں جناب ارمان کی یہ لائقِ صد آفریں خوبی ہے کہ وہ وجہ تخلیق

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

آدم اور منصب اِنسانیت کا ادراک رکھتے ہیں اور بلاتفریق مذہب و ملت، رنگ و نسل، اور قومیت و وطنیت بَلِّغْ مَا اُنزِلَ اِلَیکَ کی پیروی میں انسانیت و محبت، حق و صداقت، الفت و اخوت، راستی و پاکبازی، سادگی و ایمان داری، انسان دوستی اور حُبّ الوطنی کے سے لازوال پیغامات تمام سُننے والے کانوں تک پہنچا دینے کا فریضہ انجام دینے کی اپنی بساط بھر کوششوں میں مصروف ہیں۔ میں نے اُن کے دو۲ افسانوی مجموعوں کی قریباً چالیس۴۰ کہانیاں بالاستیعاب پڑھی ہیں اور اکثر رسائل میں اکثر و بیشتر اُن کے رشحاتِ قلم سے مستفید و مستفیض ہوتا رہتا ہوں اور ان تمام تخلیقات کے آئینے میں میں نے یہ دیکھا ہے کہ انسانی معاشرے کو پاکیزہ و منزّیٰ دیکھنے کی ان کے دل میں بڑی تڑپ ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدای بخشندہ

جناب اُدے شرن ارمان مجھے اس لیے بھی محبوب ہیں کہ گذشتہ تین۳ دہائیوں سے وہ اُردو دُنیا کے لیے "دستِ غیب" ہیں۔ بہتیرے ادیب و شاعر اور اردو کے بیشتر رسائل کے ذمّہ داران واقف ہیں کہ جناب ارمان نے کیسے اور کتنے آڑے وقتوں پر اُن کی اس طرح اعانت کی ہے کہ کسی کو اس کی بھنک تک نہ ملی ؎

سفلے نے زر ہتھیلی پر رکھ کر دیا تو کیا   چلتی ہے مُٹھی اہلِ کرم کی بندھی ہوئی

جناب اُدے شرن ارمان کی اہمیت آج اس لیے بھی بہت بڑھ گئی ہے کہ وہ اُردو دُنیا کے پاس ایک دلیلِ روشن ہیں۔ بد قسمتی سے ہندوستان میں ایک ایسی طاقت ور لابی بھی موجود ہے جو اس گوبلزی جھوٹ کی تشہیر میں ہمہ تن مصروف ہے کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ آج جب ہم رام لعل، آنند نرائن مُلّا کے سے جاں نثاران اُردو سے ایک کے بعد ایک کر کے محروم ہوئے جاتے ہیں، اُدے شرن ارمان کے سے محبِّ زبان و ادب کی اہمیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے کہ ان کی حیثیت ایک روشن دلیل اور زندہ ثبوت کی سی ہے۔

حمزہ پور۔ ۸ر اکتوبر ۱۹۹۷ء   ناوکؔ حمزہ پوری

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

اظہارِ تشکّر

دوستی اِس بات کی شاہِد ہے کہ کچُھ رِشتے خون کے رِشتوں سے بھی زیادہ اہم اور عظیم ہوتے ہیں۔

میرے دوست ، ہم مکتب، ہم عمر جناب ریاض اختر ادیبیؔ صاحب نے اپنی گوناگوں مصروفیات اور عَلالتِ مسلسل کے باوجود "دھوپ کے ٹکڑے" کی اشاعت میں جس اِنہماک اور خوش سلیقگی سے اپنا فرض نبھایا ہے، اُس کے لیے میں صمیمِ قلب سے شکر گزار ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کی صحت مندانہ درازیِ عمر کے لیئے خُدا کے حضور اِلتجا کرتا ہوں تاکہ اُردو کی بے لوث خدمت کا یہ سرچشمہ بدستور جاری رہے۔

ایں دُعا از مَن و از جُملہ جہاں آمین باد

پرستارِ انسانیت

ارمانؔ بلاروی
یکم جولائی ۱۹۹۷ء

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ترتیب

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

اُترا ہُوا چہرہ

دوپہر کو سُکھیا جب اپنے شوہر کو کام پر کھانا پہنچانے جایا کرتی تھی تو بہت سی عورتوں کو اینٹ گارا لاتے لیجاتے دیکھا کرتی تھی اور سوچتی تھی کہ اگر اِن عورتوں کے شوہر بھی اُس کے شوہر کی طرح محنتی ہوتے تو یہ بے چاری عورتیں یہاں اِتنی محنت کرنے نہیں آتیں۔ سوچتے سوچتے اِس کی تنی ہوئی بھُویں پھر نارمل ہو جاتیں جیسے وہ سوچ رہی ہو کہ کیا پتہ اُن کے شوہر نکھٹو نہ ہوں کوئی مجبوری ہی ہو۔ وہ کھانا کھِلا کر چلی آتی مگر اُن عورتوں کے بارے میں طرح طرح کے خیالات اُبھرتے رہتے۔ سُکھیا کو کیا پتہ تھا کہ کبھی یہی حالت اُس کے سامنے بھی آجائے گی۔ ایک دِن زیرِ تعمیر اِسکول کی چھت سیمنٹ کی کمی سے ڈھولا کھُلتے ہی لدر پدر نیچے گر گئی اور چار مزدور اُس کے ملبے میں دَب کر مر گئے، جِن میں سُکھیا کا شوہر بھی تھا۔ ابھی وہ ایک ہی بچّے کی ماں تھی۔ بہت جلد قدرت کے ظالم ہاتھوں نے اُس کا سُہاگ چھین لیا۔ سُسرال میں بھی ٹھیک ٹھکانہ نہیں تھا۔ مائکے والے بھی غُربت کے شِکار تھے۔ وہ بھی کِسی پر بوجھ بننا نہیں چاہتی تھی۔ اُس کے شوہر کی اچانک موت نے اُس کو اُس کے عزم واستقلال کی جانچ لینے کے لیے غمِ حیات کی وادی میں ڈھکیل دیا۔ غریب اور مجبور حالات سے سمجھوتہ کرنا سیکھ جاتا ہے۔

شوہر کی موت کے بعد سکھیا نے سب پَن ہار کر اُنہیں عورتوں کے ساتھ کام

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کرنا شروع کر دیا۔ بچّے کو ٹوکرے میں کپڑا ڈال کر لٹا دیتی اور کام میں لگ جاتی۔ جب بچّہ روتا تو جلدی جلدی دودھ پلا جاتی۔ ایک عمارت پوری ہوتی تو اُسی ٹھیکیدار کی دوسری بلڈنگ پر دوسرے مزدوروں کے ساتھ کام کرنے لگتی۔ غرض پڑھے لکھے بے روزگار نوجوانوں کی طرح اسے نوکری کے فراق میں روزگار دفتروں کے چکّر لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

ہاری تھکی سکھیا جب شام کو گھر آتی اور چارپائی پکڑتی تو روٹھی دلہن کی طرح اس کو گھنٹوں نیند نہیں آتی۔ طرح طرح کی باتیں اس کے دل و دماغ میں چکّر کاٹتی رہتیں۔ کبھی شوہر کے ساتھ بتائی ہوئی سُکھ کی گھڑیاں یاد آتیں، کبھی تنہائی کی کرب انگیز زندگی۔ کبھی حسین گداز جسم کے بھوکے بھیڑیوں کا خوف دامن گیر ہوتا کبھی چھوٹے بچّے کے تاریک مستقبل کو منوّر بنانے کا غم، کبھی شدّتِ یاس و حرماں سے روتی جھیکتی تو کبھی نیک نفس خواتین کی زندگیوں سے سبق حاصل کرکے ہمّت کے ساتھ باعزّت زندگی گذارنے کے طریقے سوچتی۔ اسی طرح روز شام کو تین چار گھنٹے گزر جاتے۔ دھیرے دھیرے اُس کو اس طرح سوچنے اور پچھتانے سے چڑ ہو گئی اور وہ کچھ کام کرنے کی سوچنے لگی۔ بہت سی بے سہارا عورتیں اپنے اپنے گھروں میں خالی وقت میں اَنیکوں کام کرتی ہیں جیسے کاغذ کی تھیلی بنانا سویٹر بُننا۔ خربوزے کے بیج چھیلنا، سُوت کاتنا، بچّوں کے کپڑے بنانا، کپڑے دھونا، اُن پر پریس کرنا، کھلونے بنانا وغیرہ وغیرہ۔ مگر اُس کو اِن میں سے کوئی کام ٹھیک نہیں جچا اور اُس نے چند حلوائیوں کی چکّی پیسنا طے کر لیا۔ روز شام کو سب کی دکانوں سے دال لے آتی اور اگلے دِن پیس کر پہنچا دیتی۔ شام تک مزدوری کرتی اور کافی رات تک چکّی پیستی رہتی۔ اب اُس کے پاس اِتنا کام آنے لگا کہ زندگی کی پریشانیوں کے بارے میں سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ بیاہ شادیوں کا کام بھی اُس کے پاس آنے لگا۔ کچھ حلوائی تو اُس پر ترس کھا کر دانستہ اُس کے پاس دال بھجواتے تھے۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کافی رات تک اُس کے گھر میں سِل کھٹکنے کی آواز آتی رہتی تھی۔ چند حسّاس اور بھلے پڑوسیوں نے مِل کر چندہ ڈال کر اُس کو پِٹّھی پیسنے کی مشین ہی لاکر دے دی جس سے اُس کا وقت اور دقّت گھٹ گئی۔ آرام کی گھڑیاں اور آمدنی بڑھ گئی۔ سارے پڑوسی اُس کی حفاظت کرتے تھے اور سُکھ دُکھ کا دھیان رکھتے تھے۔

میں بھی اپنی بیٹی کی شادی میں حلوائیوں کے کہنے سے پِٹّھی پسوانے کے لیے دال سُکھیا کے گھر ہی دے آیا۔ اُس وقت شام کے چھ بجے تھے۔ اور وہ روٹیاں بنا رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے سُکھیا بیٹی ؟" ــــــ میں نے اُس کو متوجّہ کرتے ہوئے کہا۔

" روٹی بنا رہی ہوں کاکا ! " ــــــ سر پر پلّو رکھتے ہوئے سُکھیا نے جواب دیا۔

"ساگ سبزی بن گئی ؟" ــــــ میں نے یوں ہی بے ضرورت پوچھا۔

وہ مُسکراتے ہوئے بولی ــــــ "کاکا ! نمک ، اجوائن مِلاکر روٹیاں بنا رہی ہوں ۔ ایک پیٹ کو کون اِتنی طوالت اُٹھائے۔ کچھ اب کھا لوں گی ، کچھ صبح کھاکر کام پر چلی جاؤں گی۔ کیسے آنا ہُوا ؟ "

میں نے دال کی بالٹی آگے بڑھا دی ــــــ "بیٹی ! چندلیوں کے لیے دال پِسنی ہے"

وہ بولی ــــــ "پِس جائے گی۔ یہیں رکھ دیجیے ! "

لڑکا ایک طرف بیٹھا بیٹھا رو رہا تھا۔ میں نے اُس سے کہا ــــــ "بیٹی اِس کو گود میں لے کر کھانا نہیں بنا سکتی کیا ؟ اِس طرح روتے ہوئے بچّے پر تجھ کو ترس نہیں آتا ؟ "

یہ سُنتے ہی سُکھیا نے کہا ــــــ "کاکا ! یہ چنچل بہت ہے۔ اس کا دور ہی رہنا ٹھیک ہے ۔ گود میں لے لیا تو ہاتھ پیر توئے پہ مارے گا۔ میں روز اِسی طرح کھانا بناتی ہوں۔ ایک لکڑی کی نوک پر روئی لگاکر آٹے کی گولی میں گاڑھ کر اُس کے سامنے رکھ دیتی ہوں۔ یہ روئی ہوا کے جھونکے سے بار بار ہلتی ہے اور یہ اُس کو دیکھتا رہتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے۔"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

مجھے اِس ترکیب پر ہنسی بھی آئی اور دُکھ بھی ہوا۔ میرے دِل میں آیا کہ اُس کو سمجھاؤں۔ بچّوں کو ڈرانا نہیں چاہیئے۔ اِس طرح وہ بزدِل بن جاتے ہیں مگر تبھی مجھے میرے دل نے روکا اور کہا وہ اپنے حالات کے مطابق جو کچھ کر رہی ہے وہ ٹھیک ہی ہے۔ میں نے جب گھر میں قدم رکھا تھا تو سُکھیا کے مُنہ میں بیڑی لگی ہوئی تھی۔ میں نے یہ بخوبی دیکھ لیا تھا مگر سُکھیا نے میری بات سُنتے ہی بیڑی اِس طرح چولھے میں پھینک دی جیسے کہ میں نے اُس کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ اِس نے میرا اِتنا لحاظ کیا، اِس پر تو مجھے خوشی ہوئی مگر یہ سوچ کر دُکھ ہوا کہ بڑا ہو کر اِس کا لڑکا بھی اِس بُری لت کو اپنا لے گا۔ میں نے ہمدردی کے ساتھ بڑے ڈرامائی ڈھنگ سے کہا "بیٹی سُکھیا! تیرے گھر میں بیڑی کے دھوئیں کی بدبو کہاں سے آرہی ہے کیا مجھ سے پہلے یہاں کوئی اور بیڑی پی کر چلا گیا ہے؟"

یہ سُنتے ہی وہ چُپ ہو گئی۔ یہ بھی اِقرار کا ایک طریقہ ہے، لیکن لمحہ بھر کے بعد اُس نے کہا —— "میں ہی پیتی ہوں!"

اُس نے جھوٹ نہیں بولا۔ کمال بات ہے۔ میں نے اُس کو سمجھایا "بیٹی! یہ آدمی کی چھ سے آٹھ فی صدی عمر کم کر دیتی ہے۔ تو نے کیوں پینا شروع کر دیا؟"

سُکھیا لمبا سانس لے کر کہنے لگی —— "کاکا! ایک بار میں ایک عمارت پر کام کر رہی تھی۔ جب کام کرتے کرتے تھک گئی تو سستانے کے لیے چونے کے کٹّے پر بیٹھ گئی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اِسی وقت مُرا ٹھیکیدار بھی آجائے گا۔ اُس نے پیچھے سے آکر بوٹ کی ٹھوکر سے میری پیٹھ میں ٹھوکے دیے اور بولا —— "یہاں کام کرنے آئی ہے یا آرام کرنے؟" میں چونک کر کھڑی ہو گئی۔ جی میں آیا کہ پاس پڑی ہوئی اینٹ اُس موئے کے سر میں دے ماروں۔ میری طرف سے اس کی نیّت پہلے ہی سے خراب تھی۔ میں بہت دنوں سے دیکھتی آرہی تھی۔ مگر میں نے روٹی روزی کے خوف سے اپنا مُنہ سی لیا تھا۔ میں کام کرتے کرتے بیٹھ گئی تھی، یہ میری غلطی بھی تو تھی۔ مزدور کے نصیب میں آرام کہاں ہے۔ میں نے کام کرنا شروع کر دیا۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

وہ آگے بڑھ گیا۔ اُس کا یہ رویّہ مجھ ہی کو نہیں وہاں کام کر رہے سبھی مزدوروں کو بُرا لگا۔ ایک نوجوان مزدور احمدؔ نے تو مجھ سے یہاں تک کہا "بہن جی! مزدور کو تھک کر آرام کرنے کے لیے کوئی بہانا چاہیئے۔ بیڑی سے اچھا کوئی بہانا نہیں ہے۔ تم بیڑی پینی شروع کر دو۔ ورنہ کام کرتے کرتے ہی مرجاؤ گی۔ بیڑی پیتے وقت کوئی کسی کو نہیں تک تکاتا۔" وہ کہہ رہا تھا اور میں چھت پر اینٹیں لے جانے کے لیے سرپر ترتیب سے رکھ رہی تھی۔ اب میں سمجھی کہ وہاں کام کرنے والی عورتیں بیڑی کیوں پیتی تھیں اگلے ہی دِن میں نے ایک بنڈل اور ایک ماچس خرید لی۔ شروع شروع میں تو میں حلق سے دھواں کھینچ کر باہر نکال دیتی تھی۔ دھنواں کڑوا اور بدبو دار لگتا تھا۔ مگر دھیرے دھیرے سب گوارہ ہوگیا اور میں اس کو پھیپھڑوں میں اتارنے لگی" اسی طرح کہتے کہتے وہ سنجیدہ ہوگئی اور روٹی بنانے لگی۔

میں کھڑا کھڑا سوچ رہا تھا کہ احمدؔ صحیح کہہ رہا تھا۔ مزدور کو آرام کرنے کا کوئی بہانا چاہیئے۔ جب کہ سرکاری کرمچاری سال میں صرف آٹھ ہی مہینے کام کرتے ہیں اور پورے سال کی تنخواہ اینٹھ لیتے ہیں۔ ابھی میں سال بھر کے تیوہاروں اور اتواروں کا حساب لگا رہا تھا کہ ایک ہیلتھ وزیٹر آگئی۔ میں نے سمجھا وہ پٹھّی پسوانے آئی ہوگی۔ مگر اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ میں چلتے چلتے رُک گیا۔ میرے دِل میں آیا کہ دیکھوں یہ یہاں کیوں آئی ہے؟

اُس نے آتے ہی بِلا تکلف بات چیت شروع کر دی ـــــ "بہن جی! تم شادی کرنا چاہتی ہو؟" سُکھیا ہونٹ بسور کر بولی ـــــ "تمھیں معلوم ہے کہ میں بدھوا ہوں"۔ یہ سُنتے ہی اُس نے تپاک سے کہا ـــــ "وہ تو مجھے معلوم ہے مگر بِدھوا کیا شادی نہیں کر سکتی۔ آدمی بھی تو بیوی کے مرنے کے بعد اپنا گھر بسا لیتا ہے۔ پھر عورت اپنے سُکھ کا انتظام کیوں نہیں کر سکتی؟"

"بہن جی! اگر میرے نصیب میں مرد کا سُکھ ہوتا تو وہ ہی کیوں مرتا۔ اب تو مجھے یوں ہی رہنا ہے۔ تم کیسے آئی ہو؟ اپنا مطلب بتاؤ۔"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ہیلتھ وزیٹر اُس کے دقیانوسی خیالات کو سُدھارنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ وہ فوراً اپنے مطلب پر آگئی ــــ "تو بہن نس بندی کروالو۔ ایک سو پینتالیس روپیے ملیں گے اور کبھی کوئی بھول ہو جائے تو سماج میں بے داغ بھی بنی رہو گی۔"

"بھول کیوں ہو جائے گی۔ ہماری مرضی کے بنا کوئی ہمارے جسم سے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ عورت کے اشارے کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔" ــــ سُکھیا نے تن کر کہا۔

"بہن جی! آپ کا خیال صحیح ہے۔ مگر آج جس سماج میں ہم رہ رہے ہیں، یہ بڑا بھیانک ہے۔ یہاں معصوم انسانوں کے بھیس میں انیکوں بھیڑیئے گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ یہاں کتنے کام اپنی مرضی کے خلاف بھی ہو جاتے ہیں۔ یہاں تم اکیلی ہی ہو اور اگر رات برات میں کوئی گھر میں ......"

ہیلتھ وزیٹر کہے چلی جا رہی تھی۔ میرا بھی کوئی ادب لحاظ نہیں کر رہی تھی۔ اُس کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سب کچھ کہہ ڈالے گی۔ اس لیے میں باہر چلا آیا۔ میرا خیال ہے کہ اُس نے ہر طرح سمجھا بجھا کر سُکھیا کو نس بندی کے لیئے تیار کر لیا ہو گا۔ عورت عورت کی باتوں میں جلدی آجاتی ہے۔

میں گھر پہنچا تو داروغہ جی کھڑے تھے۔ پتہ چلا کہ ہندو مُسلم فساد ہونے کے امکانات ہیں۔ اِس لیے امن آشتی کے خیال سے لائسنس والوں کے ہتھیار جمع کیے جا رہے ہیں۔ مجھے یہ بات بڑی بے معنی اور اٹ پٹی سی لگی۔ میں نے داروغہ جی سے کہا ــــ "داروغہ جی لائسنس ہولڈرس تو اپنے ہتھیاروں کا کبھی ناجائز استعمال نہیں کرتے ہیں اور نہ اُن سے کسی بھی طرح کا امن و امان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہمارے ہتھیار جمع ہو جانے سے بلا لائسنس کے ہتھیار والوں کو اور کھُلی چھوٹ مِل جائے گی۔ جو کچھ شانتی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ غنڈا ایلیمنٹ اور بھی غنڈہ گردی کرنے لگے گا۔ ہماری جان مال کی حفاظت کا یہ سہارا بھی ہم سے چھِن گیا تو کیا ہو گا؟"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

داروغہ جی میری باتیں بہ غور سُن رہے تھے۔ میرے چپ چاپ ہوتے ہی وہ بولے ——— "چودھری صاحب! یہ سرکاری قانون ہے۔ خلاف ورزی کی تو بند بھی کر دیا جائے گا اور لائسنس بھی ضبط ہو جائے گا"

یہ سنتے ہی میں نے بحث نہیں کی۔ گھر شادی کا ماحول تھا۔ مہمان لوگ جمع تھے۔ فوراً رائفل سونپ دی اور شادی کے کاموں میں لگ گیا۔

دِن نکلتے ہی میں پھٹّی لینے سُکھیا کے گھر گیا۔ راستے بھر میرے دماغ میں سُکھیا کا محنتی جیون گھومتا رہا اور ہیلتھ وزیٹر کی باتیں یاد آتی رہیں۔ اصل میں وہ کہتی بھی ٹھیک تھی۔ سُکھیا شادی کر لیتی تو اُس کی یہ ساری پریشانیاں ختم ہو جاتیں اور اُس کی حفاظت بھی ہونے لگتی۔ عورت کو مرد کے زیرِ سایہ ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ دِن بھر بچّے کو لٹکائے لٹکائے کام کرتی ہے۔ روکھی سوکھی روٹی کھاتی ہے۔ رات کو پھٹّی پیسنے سے جو وقت بچتا ہے اُس میں آرام کر لیتی ہے۔ کیا اتنی بڑی قربانی صرف اِسی لیے ہے کہ اِس کے شوہر کی شان بنی رہے اور اپنے خاندان کا مان سمّان بنا رہے۔ صرف اِتنی سی واہ واہی سُننے کے لیئے کہ فلاں کی بیوی، فلاں کی بیٹی بڑی نیک نفس نکلی۔ تمام زندگی باعزّت بسر کر لی۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ آدمی اپنی کئی شادیاں کر سکتا ہے مگر عورت کو یہ آزادی حاصل نہیں ہے۔ سماج کا خود پیدا کردہ یہ بندھن میری سمجھ میں نہیں آتا بلکہ عورت ذات کے ساتھ مردوں کا یہ ایک طرح کا ظلم ہے۔ اِس طرح تو سماج میں اور بھی مسائل اور گناہوں کا جنم ہوتا ہے۔ اِس طرح سوچتا بچارتا میں سُکھیا کے گھر پہنچ گیا۔

"سُکھیا بیٹی! میں آ گیا۔ میری پھٹّی اٹھا دو!" ——— ادھ کھلے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹاتے ہوئے میں نے کہا۔ کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے پھر آواز لگائی جواب پھر بھی ندارد۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کافی رات تک کام کرتے کرتے تھک کر سو گئی ہے۔ ایسی حالت میں گہری نیند آتی ہے۔ شاید تکان ہی کی وجہ سے وہ پٹ بند کرنا بھی بھول گئی ہے۔ میں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے کواڑ کی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کھول کر اندر چلا گیا۔ دیکھا تو آنکھیں کھُلی رہ گئیں۔ اُس کا جسم نیم عُریاں پڑا ہُوا تھا اور بچہّ اُس کے سینے پر پڑا ہوا چھاتیوں کو چچوڑ رہا تھا۔ میں نے اپنا ڈنڈا زمین پر پٹکا مگر وہ بالکل بے حرکت پڑی رہی۔ آگے بڑھ کر دیکھا تو اُس کا جسم گھائل بھی تھا۔ منہُ پر کپڑا بھی بندھا تھا۔ وہ سچ مچ مُردہ تھی۔ "اُف" میرے منہُ سے نکلا۔

وہ کسی بدچلن آدمی کی ہوس کا شکار ہوئی تھی۔ "اُس کے بچےّ کا کیا ہوگا ؟" میرے دماغ میں سوال اُبھرا۔ ابھی میں اِس کا جواب ہی ڈھونڈ رہا تھا کہ دوسرے سوال نے سر اٹھایا ـــــ "اگر کسی نے تجھے یہاں دیکھ لیا تو تیرا کیا ہوگا ؟" یہ سوچتے ہی میرے ہاتھ پیر کانپنے لگے۔ میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ صحن میں ایک طرف میری بالٹی ڈھکی ہوئی رکھی تھی۔ میں اُس کو اُٹھا کر فوراً باہر نکل آیا۔ اور کنواڑ میں باہر سے بند کر دیں تاکہ کوئی کتّا داخل نہ ہو۔ شادی میں موجود لوگ میرے اُترے ہوئے چہرے کی وجہ جہیز میں دیئے جانے والے سامان کا ناقابل برداشت اقتصادی بوجھ سمجھ رہے تھے۔ ○○

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

مذہبی عقیدہ

حکیم صاحب نے محمد علی کو رائے دی کہ وہ اپنے مفلوج لڑکے کو روزانہ ایک جنگلی کبوتر کا گوشت کھلایا کرے حالاں کہ وہ ایک اچھے ڈاکٹر کے زیرِ علاج تھا تاہم اُس نے حکیم صاحبؒ کی رائے بھی مان لی۔ اُس کے اصطبل میں جنگلی کبوتر وافر تعداد میں بسیرا کیئے ہوئے تھے۔ محمد علی اصطبل میں آہستہ آہستہ داخل ہوا۔ روشن دان میں دو کبوتر سڑک کی طرف مُنہ کیئے ہوئے بیٹھے تھے۔ یہ دونوں باپ بیٹے تھے۔ کبوتری باہر بجلی کے تار پر بیٹھی ہوا کھا رہی تھی۔ کبوتری دِن کے وقت گھونسلے میں رہنے کے خلاف تھی کیوں کہ گھونسلے میں آرام ملتا ہے اور آرام غفلت کو جنم دیتا ہے۔ دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ دُشمنوں نے ہمیشہ دوسرے فریق کی غفلت ہی کا فائدہ اُٹھایا ہے۔ کبوتری یہ سب کچھ اپنے نر کبوتر اور بچّے کو سمجھاتی رہی اور ثبوت میں ظہورِ آدم سے لے کر شری متی اِندرا گاندھی تک کی مثالیں دیں کہ کِس طرح مُتوقع خطرے کو نظر انداز کرنا کس قدر اذیت ناک ہو سکتا ہے مگر اُن دونوں باپ بیٹے پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔ محمد علی نے سائے کی طرح پیچھے سے ہاتھ بڑھایا اور ایک دم پنجہ پھیلا کر دونوں کو دھر دبوچا۔ آج کبوتر کو کبوتری کی بات یاد آئی مگر اب پچھتانے سے کیا ہوتا تھا۔ کبوتری غُٹرغوں غُٹرغوں کرتی رہ گئی۔ بے چاری جٹایو تو تھی نہیں جو حملہ کر کے چھڑا لیتی۔ دوسرے کبوتر پھڑ پھڑا کر اُڑ گئے۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"اب کیا ہوگا؟" ـــــ ایک ہاتھ میں گرفتار بیٹے نے دُوسرے ہاتھ میں گرفتار باپ سے سوال کیا۔ کبوتر نے ڈھارس دیتے ہوئے کہا ـــــ "یہ کٹّر مُسلمان ہے یعنی مذہبی آدمی ہے، بہت شریف ہے۔ سینکڑوں کبوتر اِس کے اصطبل میں سالوں سے بسیرا کیے ہوئے ہیں۔ اِس نے آج تک کسی کو نہیں ستایا۔ اس کا نام محمّد علی کتنا پیارا ہے۔ مسلمانوں میں اِس سے بڑھیا نام اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ حضرت عؓلی حضرت محمدؐ کے داماد تھے۔ دونوں فرشتہ سیرت انسان تھے۔ کیا اُن کا کوئی وصف اِس میں نہیں ہوگا اور کیا اُن کی طرح یہ رحم دل نہیں ہوگا؟"

"تم نے ماں کی بات پر یقین نہیں کیا اور ایک آدمی کی بات کا یقین کر رہے ہو۔ جو آدمی آدمی کا خون بہانے سے نہیں چوکتا وہ تمھیں بخش دے گا؟"

یہ سُنتے ہی محمّد علی کے دماغ میں ہابیلؔ اور قابیلؔ سے لے کر ہٹلرؔ کے دَور تک کے تمام خونی واقعات گھومنے لگے۔ اپنی تعریف سے جو اُسے خوشی ہوئی تھی وہ اُڑن چھو ہوگئی اور محمد علی سوچنے لگا کہ کبوتر صحیح کہتا ہے کہ اشرف المخلوق یعنی آدمی کے ہاتھ میں گیتا، وید، پُران، بائبل اور قرآن کے ہوتے ہوئے بھی ظلم کی تلوار اُس کے ساتھ رہی ہے۔ یہ انسان نہ بن سکا جب کہ تمام مذاہب کا عندیہ ہی یہ ہے کہ اُس کے ماننے والے انسان بنیں۔ محمّد علی طرح طرح کی باتیں سوچ رہا تھا کہ کبوتر نے اپنے بچّے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ـــــ "بیٹے! آدمی آدمی کا خون کبھی نہیں کرتا، بلکہ مذہب سے ناواقفیت اور تنگ نظری اِس خون خرابے کی مُرتکب ہوتی ہے۔ ایک بار حضرت عؓلی کے سامان میں دُکان دار کے یہاں سے ایک چیونٹی بھی آگئی۔ اُنھوں نے اُس کو وہیں پہنچا دیا کیوں کہ اُن کے خیال کے مطابق وہ اپنے خاندان سے بچھڑ گئی تھی۔ کسی کو اُس کے کُنبے سے جُدا کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حضرت عؓلی کا یہ خیال اُن کی رحم دلی کا اعلیٰ ثبوت ہے۔ کیا اُن کے نام لیوا اُن کی تعلیم پر عمل نہیں کرتے ہوں گے؟ اُن کی طرح رحم دل نہیں ہوں گے؟"

"اِس طرح دھوکے سے پکڑ کر لے جانے سے تو کوئی ایسی بات ظاہر ہوتی نہیں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ہے۔ اس نے تو جان بوجھ کر ہم کو ہمارے خاندان سے جُدا کر دیا ہے۔" ــــ بیٹے نے مشکوک انداز میں کہا۔

"ہو سکتا ہے یہ ہمیں اپنے گھر میں پالنا چاہتا ہو۔ ہمارے پنکھوں سے نکلی ہوئی ہوا فالج کے لیے مُفید ہوتی ہے۔ ہم شانتی دوُت ہیں، چِٹھّی رساں بھی رہے ہیں۔ ہم سے کبھی کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا ہے۔ اس کے یہاں ایک طوطا پل رہا ہے، سارا کنُبہ اس کو بڑے لاڈ پیار سے رکھتا ہے۔ وقت پر دانہ، ڈُنکا، پانی وغیرہ دیتا ہے اور ہوا، بارش، گرمی، دھوپ سبھی سے حفاظت کرتا ہے۔ جب کہ طوطا ہر پرندے سے زیادہ نقصان دہ اور بے وفا ثابت ہوا ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ یہ کھیتوں میں سرسوں کی پھلیاں، تِل کا گھڑا، ہری مرچیں، چنا، مٹر، آم، آڑو وغیرہ سبھی کچھ کُتر کُتر کر کھا لیتا ہے اور اس سے کہیں زیادہ کاٹ کاٹ کر زمین پر گرا دیتا ہے۔ اس طرح یہ کسان اور قوم دونوں کا بڑا دُشمن ہے۔ بے وفا اتنا ہے کہ چالیس سال سے پنجرے میں پرورش پاتے ہوئے بھی کھڑکی کھُلتے ہی "پُھر" ہو جاتا ہے اور پھر کبھی ہاتھ نہیں آتا ہے، جو انسان ایسے ظالم اور بے وفاؤں کو پالتا ہے، کھِلاتا پِلاتا ہے، دیکھ ریکھ کرتا ہے، وہ ہمیں کیوں سَتانے لگا ہے، ہم نے تو کبھی کسی کا کوئی نقصان ہی نہیں کیا ہے۔"

"آدمی نے ہمیشہ ظالموں ہی کو پالا ہے۔ وفاداروں اور شریفوں ہی کو ستایا ہے۔ یہ اس کی نیچر ہے۔" ــــ بیٹے نے ریمارک کسا اور دونوں نے ایک بار پھر ۱۸۵۷ء کے غلام ہندوستانیوں کی طرح آزاد ہونے کے لیئے پر پھڑپھڑائے مگر محمد علی نے انگریزوں کی طرح گرفت اور بھی سخت کر لی جس سے دونوں کو سانس لینا بھی مشکل ہو گیا۔ اب دونوں خاموش اور مایوس ہو گئے تھے جیسے کسی بادشاہ کے حملے اور طوفان کی آمد سے پہلے فضا میں خاموشی سی چھا جاتی ہے۔ بیٹے کا ریمارک محمّد علی کے دماغ میں پھر ضرب کاری کرنے لگا۔ اور وہ سیاسی دنیا کی چالوں پر غور و خوض کرتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

" دڑو کیوں پکڑ لائے ؟"_____ بیگم نے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"کل کو مجھے انکم ٹیکس افسر کے یہاں دڑو پیٹی شراب پہنچانے جانا ہے، اُس کے لڑکے کی سالگرہ ہے۔ انکم ٹیکس کمشنر بھی آ رہے ہیں۔ اسی لیئے میں دڑو پکڑ لایا۔ کل کو یہ کام کون انجام دیتا۔"

" دڑو پیٹیاں شراب .... ؟ کتنے روپیئے دِیئے ہیں انھوں نے ؟"

"پولس افسر اور انکم ٹیکس ادھیکاری کے کام فری میں ہوتے ہیں۔ یہ روپئے دیتے تو مجھ سے ہی کیوں کہتے۔ کسی اور سے نہ منگا لیتے۔ تم اتنی ہی سی بات پر چونک گئیں۔ لالہ چرنجی لال کو تو ساٹھ " مرغے لا کر دیتے ہیں۔ جس طرح کمزور آدمی پولس سے، غریب لوگ حاکم سے، فقیر اللہ سے ڈرتے ہیں اُسی طرح امیر انکم ٹیکس افسر سے ڈرتا ہے۔"_____ یہ کہتے ہوئے محمد علی نے ایک کبوتر بیگم کی طرف بڑھایا۔

"لیکن ایک آدمی ایسا ہے، جس سے سبھی ڈرتے ہیں ؟" بیگم نے سوالیہ انداز میں کہا۔

" بدمعاش سے ؟" محمّد علی نے جواب دیا۔

بیگم مسکرائیں اور بولیں_____ "نہیں میرے سوال کا جواب صحیح نہیں ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ سے سب ڈرتے ہیں۔ ایک برہمن کو برہمن، جاٹ کو جاٹ، تیلی کو تیلی، کنجڑے کو کنجڑا کہہ دینے پر کچھ نہیں ہوگا لیکن چمار کو چمار اور بھنگی کو بھنگی کہنے پر ٹوپی اُتر جائے گی۔ پتہ ہے ایک ڈی۔ ایم شیڈولڈ کاسٹ آگیا تھا۔ اس نے تمام لوگوں کی ناک میں دم کر دیا تھا۔ بڑا ہی انتقامی رویّہ تھا، اس کا۔"_____ کبوتر ہاتھ میں لیتے ہوئے بیگم نے کہا۔

"آزاد طبع ہونا اور آزادی کے صحیح معنوں میں آشنا ہونا بڑی دیر میں آتا ہے۔ نالیوں میں بہتا ہوا تازہ انسانی خون اس بات کا شاہد ہے کہ ان نادان اور مذہبی جُنون کے مارے ہوئے چند لوگوں کو تو کیا پورا ملک جس کو ۵۰ سال آزاد ہونے کو آ رہے ہیں، آزادی کا معنیٰ اور آزادی کا اصل مصرف نہیں جانتا۔"_____

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

چاقو پر دھار لگاتے ہوئے محمد علی نے جواب دیا۔ محمد علی کو چاقو پر دھار لگاتے ہوئے دیکھ کر بیٹے نے باپ سے کہا —— "اب ہم ضرور مارے جائیں گے۔ اس میں نہ تو حضرت محمدؐ جیسی رحم دِلی نظر آتی ہے اور نہ حضرت علیؓ جیسی مہربانی"۔ یہ تو وقت بتائے گا کہ یہ کیسا انسان ہے لیکن میں اتنا یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی کٹّر مذہبی انسان بن جائے تو اس سے کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یہاں مذہب ہماری جان بچانے میں مددگار ثابت ہو سکے گا، مجھے اس پر بالکل یقین نہیں ہے۔ تھوڑی دیر میں ہم دونوں کا سر دھڑ سے الگ ہو جائے گا۔ بھگوان دیکھ رہا ہے کہ دونوں بے گناہ موت کے مُنہ میں جانے والے ہیں۔ جب وہی ہماری مدد نہیں کر رہا ہے تو مذہب کیا مدد کرے گا۔ یہاں بھلے کا انجام بھلا نہیں ہوتا ہے۔ ہم نے کبھی کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا، نالیوں میں بہتے ہوئے کھانے کے بیکار ٹکڑے، کھیت کھلیانوں میں بیکار پڑے اناج کے دانے دُنکے کھا کھا کر ہم لوگ جیتے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ یہ انسان طوطے جیسے نقصان دہ، ظالم، بے وفا پنچھی کو تو پالتا ہے اور ہم جیسے بھولے بھالے پرندوں کو مار کھاتا ہے۔ اگر دنیا میں ایسا ہی ہوتا رہا تو یہ دُنیا جلدی تباہ و برباد ہو جائے گی۔ نہ معلوم بھگوان کیوں چُپ ہے؟ وہ کیوں مدد نہیں کرتا؟ کوئی انصاف نہیں کرتا۔" —— اس طرح کہہ کر بیٹا چُپ ہو گیا۔

محمّد علی نے چاقو تیز کر کے کبوتر کی گردن پر چلانے کے لیے آگے بڑھایا۔ اسی وقت بیگم کے ہاتھ میں گرفتار بیٹے نے چاقو کی طرف اپنی گردن لمبی کر دی تاکہ اُس کے باپ کی جگہ محمّد علی اُس کی گردن پر پہلے چاقو چلائے۔ بیگم کی گرفت سے اپنے آپ کو چھُڑانے کی کوشش نہیں کی۔ چاقو دیکھ کر ہر ایک ڈر جاتا ہے۔

جان بڑی پیاری چیز ہے مگر کبوتروں کا خوشی خوشی قربان ہونے کا منظر دیکھ کر محمد علی پل بھر کو ٹھہر گیا اور بولا —— "تم دونوں اپنی اپنی گردنیں کیوں بڑھا رہے ہو؟ کیا تم کو مرنے سے ڈر نہیں لگتا، تمھیں تکلیف کا احساس نہیں ہوتا؟"

"ہم بھی آدمی کی طرح مرنے سے ڈرتے ہیں" —— بیٹے نے کہنا شروع کیا

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"مگر میرے سامنے میرے باپ کا قتل ہوتا رہے اور میں دیکھتا رہوں، یہ کتنی بُری بات ہے۔ اگر میں اپنے باپ کی جان بچانے سے مجبور ہوں تو ان سے پہلے مر تو سکتا ہوں۔ دھرم کے لیے مرنا اور ظلم کے خلاف لڑنا بھی تو مذہب کا عین منشا ہے۔"

"اور تمھارا کیا خیال ہے ؟" ——— محمّد علی نے باپ سے پوچھا۔

"میرا بھی ایسا ہی خیال تھا۔ میرے پاس انسان جیسا دل نہیں ہے۔ وہ تو اپنے بیٹے کی گردن پر چھُرا بھی چلا سکتا ہے اور آرا بھی مگر میں تو اپنے بیٹے کا قتل بھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔"

یہ سنتے ہی محمد علی دل و دماغ کی آزمائش میں اُلجھ گیا۔ بیگم کے دماغ میں بھی خلیل اللہ اور راجہ مور دھج کی کہانیاں گھومنے لگی۔ "اوہ آج جمعرات ہے ....!" آنِ واحد میں بیگم کے دماغ میں ایک مذہبی نکتہ اُبھرا اور اُس نے محمد علی کا چاقو پکڑ کر کہا ——— "آج جمعرات ہے۔ یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ جمعرات کے دن شکار نہیں کرنا چاہیئے، کیوں کہ روحیں اس دن طرح طرح کا روپ دھارن کرکے دُنیا میں گھومتی ہیں اور خُدا کے بندوں کا جائزہ لیتی ہیں۔ کیا پتہ یہ خاموش کبوتر بھی ہمارا امتحان لینے والے ہوں"۔

محمّد علی کو بات جچ گئی اور اُس نے اپنے ہاتھ کا کبوتر مَنْ لایَرحَمُ لا یُرحَمُ (جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا)، آیت پڑھ کر اُڑا دیا۔ اس کے فوراً ہی بعد بیگم نے "الدِّینُ نَصِیحَۃ" (دین غم خواری کا نام ہے) پڑھ کر اپنا کبوتر بھی اڑا دیا۔ باپ بیٹے دونوں آزاد ہو کر تار پر بیٹھی سلامتی کی دُعا کر رہی کبوتری کے پاس جا بیٹھے۔

"تمھاری جان کس نے بچائی ؟" ——— باپ نے فخریہ انداز میں بیٹے سے سوال کیا۔

"بھگوان نے" ——— بیٹے نے ماں کی طرف سرکتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں! مذہبی عقیدے نے !!"

یہ سُنتے ہی کبوتری دونوں کے درمیان آکر بیٹھ گئی جیسے وہ اس معمّے کی بابت تفصیل سے معلوم کیا چاہتی تھی۔ ○○

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

حق گو

۲۰۷ء قبل مسیح بے بی لون میں ٹِگرِدس ندی کے کنارے کیش گھاٹ پر لاطفا ملّاح مسافروں کو اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر پار لگایا کرتا تھا اور خالی وقت میں مچھلی مار لیا کرتا تھا۔ یہی اس کا ذریعۂ معاش تھا۔ ایک دِن ایک بیوپاری اپنی جوان اور بہت ہی خوبصورت لڑکی کے ساتھ پار اُترنے کو گھاٹ پر آیا۔ یہاں آکر اس کو دھیان آیا کہ بٹوہ کہیں رہ گیا ہے۔ وہ اپنی بیٹی ریشا کو ملّاح کی سپردگی میں چھوڑ کر بٹوا لینے چلا گیا۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ ملّاح ریشا کو لطیفے سُنانے اور آرام سے بیٹھنے کے لیے کوٹھری میں لے گیا۔ ملّاح کا دل پاک تھا۔ جیوں ہی دونوں کوٹھری میں داخل ہوئے، کونے میں سے ایک سیاہ زہریلا ناگ نکل کر لڑکی کی طرف کو بڑھا۔ لڑکی چیخ مار کر ملّاح کے سینے سے چمٹ گئی۔ اُس نے ریشا کو دھکیل کر الگ نہیں کیا، بلکہ ایک ہاتھ سے بچّے کی طرح گود میں سنبھال لیا اور اسی حالت میں پھُرتی کے ساتھ یکے بعد دیگرے دونوں پیروں سے اُچھل کود کر اُس سانپ کا کام تمام کر دیا۔ سانپ سچ مچ مر گیا تھا، مگر خائف ریشا ابھی تک اس کے سینے سے چمٹی ہوئی تھی۔ ملّاح اُس کے بے پناہ حُسن، جوانی اور گداز جسم کی قربت سے دِماغی توازن کھو بیٹھا۔ اُس کے دل میں کچھ ہونے سا لگا اور وہ سب کچھ بھُول گیا اور اُسی حالت میں اُس کے ساتھ زمین پر دراز گیا۔ آدمی کی ذاتی اور ازلی کمزوری رنگ لے آئی۔ ریشا نے بھی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کوئی ردِّ عمل نہیں دِکھایا اور نہ ہی اس کو ہٹانے کے لیے کوئی کوشش کی۔ ملّاح اپنے مشن میں کامیاب تو ہوگیا مگر اُس کے چہرے پر خوشی کے بجائے پشیمانی کھیل رہی تھی۔ رشیا نے یہ عجیب بات دیکھ کر سوال داغا ـــــ "ایسے موقعوں پر اکثر عورتیں جھینپتی ہیں مگر یہاں آپ شرمندہ ہیں، ایسا کیوں؟"

"جو محسن اتنی جلدی اپنے احسان کا بدلہ لے لے وہ شرمندہ نہ ہوگا تو کیا خوش ہوگا؟ میں نے بُرا کیا ہے، میں انسانیت سے گر گیا ہوں!!" ـــــ ہتھیلیاں ملتے ہوئے ملّاح نے کہا۔

"ملّاح اپنی غلطی کا خود اعتراف کرنا اور اپنی جان پر کھیل کر بے مطلب ہی کسی کی جان بچانا، یہ دونوں خوبیاں جس انسان میں ہوں گی وہ انسانیت سے گرا ہُوا کیسے ہو سکتا ہے، مگر گری ہوئی انسانیت کو اٹھانے والا ثابت ہوگا۔" رشیا کی معنی خیز باتیں سن کر ملّاح خوش ہوگیا۔ اس کا سر ہلکا ہوگیا۔ وہ ہم کلام ہوا ـــــ "تمھارا حُسن اور ہوشیاری تم کو محلوں تک پہنچا دے گی۔ کوئی کیسا ہی راجہ ہو مگر ان دونوں کے آگے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔"

ملّاح کی دعا سُن کر وہ مسکرائی۔ اس کو اپنی تعریف میں کہے گئے الفاظ وزنی محسوس ہو رہے تھے۔ وہ بولی ـــــ "پتاجی آتے ہوں گے۔ ایک بات بتاؤ۔ میں سماج کو کیسے مُنھ دِکھاؤں گی؟"

ملّاح رشیا کے دل کی بات سمجھ گیا اور سوچ وِچار کر ڈھارس بندھاتے ہوئے بولا ـــــ "میرے پاس ٹھیک تمھارے برابر ایک لڑکی ہے اور اُس کے بعد آج تک کوئی بچہ نہیں ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجھ میں کوئی قدرتی نقص واقع ہوگیا ہے۔ اس لیے تمھارے بھی کوئی بچہ نہیں ہو سکتا اور یہ راز راز ہی بنا رہے گا۔"

"پاپ اور پُن دامن میں چھپے انگار کی طرح چھُپ نہیں سکتے۔ دیکھتے ہیں ایشور کہاں تک ہماری مدد کرتا ہے۔" ـــــ کہتے ہوئے رشیا نے یہ دیکھنے کے لیے باہر

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

جھانکا کہ گھاٹ پر کوئی مُسافر تو نہیں ہے۔ وہاں دو مسافر کوٹھری کی طرف بیٹھ کئے ہوئے بیٹھے تھے۔ یہ دیکھتے ہی ریشا اندر ہو گئی اور لاطفا سے بولی ـــــ "ان سے کیسے نبٹا جائے گا۔ یہ تو ابھی پتاجی سے راز کھول دیں گے۔"

پریشانی کے وقت میں عقل بہت تیز کام کرتی ہے۔ لاطفا کچھ سوچ سمجھ کر بولا ـــــ "اگر کبھی ایسا موقع آ بھی جائے تو تم اس راز کو چھپانے اور آبرو بچانے کے لیئے کہہ دینا کہ یہ میرے باپ کے برابر ہیں اور میں کہہ دوں گا کہ یہ میری بیٹی کے برابر ہے۔ یہاں میرا منشاء قد سے ہے، رشتے سے نہیں لیکن عوام کا دھیان قد پر نہیں رشتے پر جائے گا اور ہم دونوں سماج کی نظروں میں پارسا ثابت ہو جائیں گے۔ چالاکی ہر دور میں کامیاب ہوتی آئی ہے۔"

"بالکل ٹھیک ترکیب سوچی ہے۔ سماج کو بیوقوف بنا کر ہی اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے"

ریشا نے چین کی سانس لی اور بے فکری سے باہر چلی گئی۔ باہر بیٹھے دونوں مسافروں نے اِن دونوں کو ایک ساتھ کوٹھری سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ ۔ آپس میں کانا پھونسی کی اور چپ ہو گئے۔ شاید اُنھوں نے یہ سوچ لیا ہو گا کہ یہ دونوں باپ بیٹی ہیں۔ تھوڑی دیر میں بیوپاری بھی آ گیا۔ ریشا نے دیکھتے ہی پوچھا ـــــ

"بٹوا مل گیا پتاجی ؟"

"ہاں بیٹی ! بٹوا مل گیا۔ مالک مکان نے ایمانداری کا ثبوت دیا۔"

اس طرح اِن دونوں کی باتیں سن کر وہ دونوں مُسافر کبھی ملّاح اور ریشا کو دیکھتے کبھی ریشا اور بیوپاری کو۔ اس انداز سے دیکھنے پر بیوپاری بھی مشکوک ہو گیا اور کہنے لگا ـــــ "آپ لوگ اس طرح کیا دیکھ بھال کر رہے ہیں ؟"

مسافروں سے خاموش نہ رہا گیا اور انھوں نے سب کچا چٹھا کھول دیا۔ اس وقت تک اور بھی کئی لوگ وہاں آ چکے تھے۔ بیوپاری نے غم و غصّے کے انداز میں بیٹی کی طرف سوالیہ نظریں اُٹھائیں۔ اُس نے فوراً کہا

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"پتا جی! یہ لوگ دِل کے گندے ہیں۔ اِسی لیے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ ملّاح بہت اچھا آدمی ہے، یہ مجھے لطیفے سُنا سُنا کر خوش کر رہا تھا۔ یہ تو میرے باپ کے برابر ہے۔"

ملّاح نے بھی اُسی وقت تپاک سے کہا ـــــ "جی ہاں! یہ میری بیٹی کے برابر ہے"

پانی کے دیوتا (اس زمانے میں بہتے ہوئے پانی کو بھی دیوتا تصوّر کیا جاتا تھا) کے سامنے اس طرح کہنا سچائی کا ثبوت تھا۔ یہ سُنتے ہی دونوں کو سانپ سونگھ گیا اور دِلوں میں اُچھل کود مچاتا شک کا مینڈھک کچھ دیر کو خاموش ہو گیا۔ سارے مسافر ہنسی خوشی پار اُتر گئے۔ اُن دونوں مسافروں کے چہروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ابھی تک مشکوک تھے اور اِن کی باتوں کو جھوٹی اور بناوٹی سمجھ رہے تھے۔ قسم کھانے والا بھی جھوٹا ہی ہوتا ہے کیوں کہ کھائی ہوئی شے جھوٹی ہوتی ہے۔ ایک دِن اُنھوں نے بے بی لون کے راجہ ہمّور جی کے دربار میں لاطفا کی بد چلنی کی شکایت کی اور خود کو چشم دید گواہوں میں پیش کیا۔ راجہ نے رشیا اور لاطفا کو طلب کر لیا۔ جب دونوں پیش ہوئے تو راجہ نے ملّاح سے سوال کیا ـــــ

"ان دونوں کو شکایت ہے کہ تم بد چلن ہو۔ تم نے اِس لڑکی کے ساتھ ندی کنارے جَل دیوتا کے سامنے بد سلوکی کی ہے۔"

ملّاح کچھ کہنے کے لیئے ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ رشیا بول پڑی ـــــ "حضور! جب ہم کوٹھری میں تھے تو یہ کہاں تھے؟ ذرا اِن سے پوچھا جائے!"

راجہ نے یہ سوال مسافروں سے کیا تو اُنھوں نے جواب دیا ـــــ "ہم دونوں ندی کنارے کوٹھری سے دُور بیٹھے تھے۔"

"حضور! جب یہ کوٹھری سے دور بیٹھے ہوئے تھے تو اِن کو کیا پتہ کہ ہم کوٹھری میں کیا کر رہے تھے۔ اِن مسافروں کو صرف ہمیں ایک ساتھ باہر نکلتے دیکھ کر ہم پر بد چلنی کا شک ہُوا ہے، یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ اس طرح تو مندر سے، دھرم شالہ سے اسکول سے، راج دربار سے بھی کوئی جوڑا ایک ساتھ باہر نکل سکتا ہے۔ بد چلنی کا تعلق

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

تو اعمال سے ہوتا ہے، نہ کہ چال سے۔ ملّاح تو ایک شاندار اخلاق والا بھلا آدمی ہے۔ میرے باپ کے برابر ہے۔" کہتے ہوئے ریشا نے لاطفا کی طرف دیکھا۔ اُس نے بھی میٹھا سا جواب دیا ——— "جی ہاں! یہ میری بیٹی کے برابر ہے۔"

ان بیانوں کے بعد یہ دونوں راجہ کی نظر میں بے قصور اور پاک صاف ثابت ہو گئے لیکن وہ دونوں مسافر مطمئن نہیں ہوئے اور بولے ——— "حضور! بہت سے کام سماج کی نظر سے چھپا کر کیئے جاتے ہیں اور حالات دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جاتا ہے کہ کیا ہوا ہے اور اکثر اندازہ صحیح بیٹھتا ہے۔"

یہ سُن کر راجہ سمجھ گیا کہ یہ مطمئن نہیں ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر راجہ نے ان کو مطمئن کرنے کے لیے لاطفا کی شرافت کا آخری امتحان لینے کے لیے حکم سُنا دیا اور نگروس ندی کے دھارے میں ملّاح کو پھینکنے کی تیاری ہونے لگی۔ ریشا کو یہ بات بہت کھٹکی۔ اُس نے نڈر ہو کر راجہ سے کہا ——— "سرکار جب تک ملزم پر لگائے گئے الزام کو ثابت کرنے کے لیئے کوئی پکا ثبوت مہیا نہ ہو جائے تب تک اُس کو اِس طرح کی سخت سزا نہیں دینی چاہیئے۔ ایک دم ایسا قدم اُٹھانے سے راجہ کے علم و حکمت اور عدل و انصاف پر حرف آتا ہے۔"

"یہ سزا نہیں ہے بلکہ مجرم ہونے نہ ہونے کی جانچ کا طریقہ ہے جو کچھ پشتوں سے ہمارے خاندان کے راجاؤں میں چلا آ رہا ہے اور ہم اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ راجہ جو بھی قدم اُٹھاتا ہے بہت سوچ کر اُٹھاتا ہے۔ اس کے کام میں دخل اندازی کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے اور نہ گنجائش ہوتی ہے۔"

یہ سُن کر ریشا نے بے خوف راجہ سے کہا ——— "مہاراج! آپ ایک انسان ہیں اور ہر انسان کے کام میں ہر انسان کو دخل اندازی کا حق بھی ہوتا ہے اور گنجائش بھی ہوتی ہے۔ آپ تو بھگوان کی بھاشا بول رہے ہیں۔ صرف اُسی کے کام میں نہ کسی کو دخل اندازی کا حق ہے نہ کوئی گنجائش ہوتی ہے۔"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"ریشا! تم کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ تم ایک راجہ کے دربار میں کھڑی ہو۔ اِس طرح بے خوف اور بے اَدب ہو کر بولنا مناسب نہیں ہے۔"

"میں ہوش میں ہوں مہاراج! کسی کو بھی اپنے نیک جذبات کا خون کرنے کے لیئے قوتِ اظہار کا گلا نہیں گھونٹنا چاہیئے۔ آپ جو کچھ کرنے جا رہے ہیں یہ ایک لکیر کا فقیر ہونے کا ثبوت دینا ہے۔ عقل و دانش، ہوش و خرد، اچھّے راجہ کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔"

یہ سُن کر راجہ پَل بھر کے لیئے کچھ گمبھیر ہوا، جیسے وہ ریشا کی باتوں پر غصّہ نہ کر کے اِتّفاق کرتا نظر آ رہا تھا۔ اُس نے راجہ کے اندھے یقین کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ دِل ہی دِل میں بہت سی باتیں سوچ سمجھ کر راجہ نے پھر سنبھل کر کہا ـــــــ "آج ہم بھگوان کو شریکِ کار کر کے پھر جَل دیوتا کے ذمّہ اس کام کو سونپتے ہیں، وہی اس کا فیصلہ کرے گا۔ اگر یہ ملّاح صحیح ہے تو پار لگ جائے گا ورنہ دوسرے لوگوں کی طرح ڈوب جائے گا۔ تم پریشان کیوں ہوتی ہو؟ سانچ کو آنچ نہیں ہوتی ہے، کیا تمھیں جَل دیوتا پر یقین نہیں ہے۔"

"مجھے صرف بھگوان پر یقین ہے اور ہاتھ پیروں پر یقین ہے۔ انسان کے سب سے بڑے یہی دیوتا ہیں۔ اس جَل دیوتا پر بالکل یقین نہیں ہے۔ جب آپ کے دادا ظالموں اور غدّاروں کو ہرا کر جنگ سے واپس آ رہے تھے تو اُنھوں نے خطرناک راستہ چھوڑ کر ٹنگروس میں گھوڑا ڈال دیا تھا۔ شاید اُن کا یہی یقین اُن کو لے بیٹھا اور وہ ڈوب کر مر گئے۔ جَل دیوتا نے اُن کی کوئی مدد نہیں کی، کیا وہ غلط تھے؟"

"ہو سکتا ہے وہ جَل دیوتا کی نظر میں غلط ہوں۔ ہزاروں بے خطا لوگوں کا خون بہا کر جنگ جیتنے والا راجہ جَل دیوتا کو پسند نہ آیا ہو!"

"ٹھیک ہے مہاراجہ! آپ اپنے طریقے سے کام کریں۔ جَل دیوتا ملّاح کو نہیں ڈبو سکے گا، مجھے اِس بات کا پکّا یقین ہے۔" ـــــ ریشا نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ ملّاح تیراک ضرور ہوتا ہے۔ اہلِ دست و پا کی بھگوان بھی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

مدد کرتا ہے۔"

ٹنگ۔دس کی اُچھلتی لہروں میں ملاّح کو پھینک دیا گیا۔ لاطفا غوطہ کھا کر اُبھرا اور دھارے کے سہارے تیرتا ہوا ندی کے دوسرے کنارے پر جا لگا۔ حاضرین نے جَل دیوتا کے انصاف اور ملاّح کے پاک صاف ثابت ہونے پر خوشی میں تالیاں بجائیں۔ دونوں مُسافر دَربار سے باہر مُنہ لٹکائے ہوئے چلے آئے۔ آج اُن کا جَل دیوتا پر سے بالکل یقین ہٹ گیا اور یہ دیوتا ناکارہ فرضی اور بے اثر دِکھائی دینے لگا۔ ایک مُسافر دوسرے مُسافر سے جھنجھلاکر بولا ——— "اِس دیوتا نے ایک مُجرم پاپی کو پار لگا کر اور بھرے دربار میں چشم دید گواہوں کو جھُٹلا کر جو بے عزّتی کی ہے، میں اُس کو اِس کا جواب دوں گا اور سماج کے دِل سے اِس کا یقین ہٹا کر مانوں گا۔"

یہ مُصمّم اِرادہ سُن کر دوسرا مُسافر مُتحیّر ہو کر بولا ——— "دوست! بہت بڑی بات کہہ گئے ہو، یہ مُمکن نہیں ہو سکے گا۔"

وقت نے کروٹ بدلی اور کچھ مہینے بعد ریشا کا پیٹ اُبھر آیا۔ بیوپاری نے اپنے خاندان کی آن بچانے کے لیے ریشا کو جان سے مارنے کی تراکیب سوچنی شروع کر دیں۔ ریشا کو باپ کی سازش کا پتہ چل گیا۔ وہ چھُپ کر گھر سے بھاگ گئی اور لاطفا کے پاس جا پہنچی۔ لاطفا اُس کو اس عجیب حال میں دیکھ کر بہت ہی حیرت زدہ ہُوا۔ لیکن اُس نے ریشا کو ٹھکرایا نہیں بلکہ عزّت کے ساتھ گھر میں بٹھایا۔ خاطر تواضع کی اور اپنی بیوی کو سارا قصّہ صاف صاف سُنا دیا۔ لاطفا کی بیوی کڑوی دَوا کی طرح اپنے شوہر کی ساری غلطیوں کو پی گئی اور ریشا کو بہ خوشی اپنی سوکن مان کر گھر میں اجازت ہی نہیں دے دی بلکہ جائیداد کا نصف حصّہ بھی اس کے نام کروا دیا۔ اُدھیڑ عمر ملاّح کے گھر میں دوسری حسین اور جوان عورت کو دیکھ کر سماج میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں۔ ہوتے ہوتے دونوں مُسافروں کو بھی پتہ لگ گیا۔ وہ اِس حقیقت کا پتہ لگانے یہاں آئے، بات صحیح تھی۔ اب اُنھوں نے کیس کو دوبارہ اٹھانے کا بیڑا اُٹھایا۔ ——— "اب دیکھتے ہیں بھرے دربار میں کون جَل دیوتا کے وجود

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کی تائید کرتا ہے۔ کون اِس فرضی، بے اثر، ناکارہ دیوتا کے یقین کی حمایت کرتا ہے؟ کون اِن مکاّروں کو پھانسی سے بچائے گا؟ کیسے راجہ جھوٹ بولنے والوں کو پھانسی نہ دے گا۔"

وہ دونوں عرضی لے کر دربار میں پہنچے۔ راجہ اُس وقت جیوتشی کو ہاتھ دکھا رہا تھا۔ جیوتشی کہہ رہا تھا ——— "مہاراجہ آپ کا نام چلے گا اور غیب سے ایسا لڑکا حاصل ہوگا جو دنیا میں بے بی لون کا نام کردے گا۔ جب جیوتشی چُپ ہوا تو دونوں مسافروں نے اپنی عرضی پیش کی۔ راجہ نے جب یہ بات سُنی تو دم بخود رہ گیا اور دونوں کو بُلا بھیجا۔ ابھی لاطفا کا گناہ ریشاؔ کے پیٹ میں پل رہا تھا۔ راجہ دل ہی دل میں کُڑھ رہا تھا اور جَل دیوتا کے انصاف سے بدظن ہو رہا تھا۔ اب تک اِس دیوتا کے انصاف کے سہارے پر بے شمار بے گناہ بے خطا لوگوں کو ڈبو دیا گیا ہے۔ وہ سب ڈوبنے والے گنہگار ہی نہیں تھے بلکہ ہماری بے وقوفی کا شکار تھے۔ اندھے یقین کی تلوار سے قتل ہونے والے بے قصور لوگ تھے۔ راج دربار کے انصاف کا یہ پُرانا طریقہ واقعی غلط ہے۔ اگر اسی طرح امتحان میں ڈوب مرنے والے ملاّح کی طرح تیراک ہوتے تو شاید کوئی بھی نہیں ڈوبتا۔ ملاّح کو جَل دیوتا نے نہیں، اس کے ہاتھ پیروں نے بچایا تھا۔ اُس کے لیئے ہاتھ پیر اور تیرنے کا ہنر ہی سب سے بڑا دیوتا ثابت ہوا ہے۔

"ہمارے دربار میں جھوٹ بولنے والے کو پھانسی کی سزا دی جاتی ہے، تم جانتے ہو گے!" ——— راجہ نے لاطفا سے کہا۔

ابھی لاطفا کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ریشاؔ نے اس کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اور خود راجہ سے ہم کلام ہوئی ——— "سرکار آمور خاندان کے اس غلط قانون کو ہم ہی نہیں، ساری دنیا جانتی ہے"

"ریشا! ہمارے اِس پُرانے اچھّے قانون کو غلط بتانے کی تم کو ہمّت کیسے ہوئی؟"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"سرکار! جس دِن لوگوں میں غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہنے کی ہمت نہیں رہے گی۔ اُس دِن پھولوں کے چہرے اُداس ہو جائیں گے، مہاراجہ! کیا کبھی آپ نے سوچا ہے کہ پھانسی کی سزا جُرم کو نہیں، مجرم کو ختم کرتی ہے۔ مجرم کے ختم ہونے سے جُرم نہیں گھٹتا۔ سزا ایسی ہونی چاہیئے جو مُجرم کے جسم و جان، دل و دماغ کو ایذا پہنچائے اور خود بھی بُرائی سے بچے اور دوسروں کو بھی بھلائی کی طرف رجوع کرے۔ پھانسی تو در اصل مُجرم سے جینے کا حق چھینتا ہے جو قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ اِس میں شخصی سُدھار کا نظریہ نظر نہیں آتا۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ پھانسی کا قانون غلط ہے کہ صحیح ؟"

ہمّو رجی نے بغور سننے کے بعد مسکرا کر کہا ——— "تمھاری بات قابلِ غور ہے لاطفا! ریشا کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آج سے کچھ مہینے پہلے تم نے ہم سے جھوٹ بولا تھا۔ کیا یہ تمھاری بیوی نہیں ہے؟ کیا تم پاپی نہیں ہو؟"

"جی ہاں حضور! یہ میری بیوی ہے اور یہ اس کی کوکھ میں پلنے والا بچہ بھی میرا ہی ہے۔ آج سے کچھ مہینے پہلے میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا، میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ یہ میری بیٹی کے برابر ہے۔ اگر دو چیزیں قد میں ایک دوسرے کے برابر ہوں اور اُن کو ایک دوسرے کے برابر بتا دیا جائے تو یہ جھوٹ بولنا تو نہیں کہلائے گا۔" چند لمحے ٹھہر کر لاطفا نے آگے کہا ——— "اور نہ میں پاپی ہوں۔ اگر آپ کی نظر میں چند اُصولوں کا خون کر کے میں نے ایک کنواری لڑکی کو بے آبرو کیا ہے اِس لیئے میں پاپی ہوں، تو حضور! یہ اِلزام بھی مجھ پر عائد نہیں ہوتا۔ جب کسی ایک کام کو دو آدمی ہم خیال ہو کر، ہنسی خوشی انجام دیتے ہیں تو اِس کو سماج کے اصولوں کا خون کرنا بھی نہیں کہا جاتا۔ دونوں مسافر گواہ ہیں اس بات کے کہ اُنھوں نے باہر بیٹھے ہوئے کوٹھری میں سے کسی کی کوئی آواز نہیں سُنی تھی۔ میں نے وہ کون سا کام ریشا کے ساتھ نہیں کیا جو لوگ ایک بیاہتا کے ساتھ کرتے ہیں۔ میں نے اِس کو عزت دی ہے، پیار دیا ہے، آدھی جائیداد کی مالک بنا دی ہے۔ اِس طرح میں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کسی بھی سزا کے لائق نہیں ہوں۔ اگر میری کسی بھی بات پر شک ہو تو ریشا سے پوچھا جا سکتا ہے۔"

یہ سنتے ہی ایک خاص ادا کے ساتھ ریشا نے اقرار میں سر جھکایا اور لاطفا کی طرف سرک گئی۔ ہمور بھی ایک جھلک میں پگھل گئے اور اس کے بے پناہ حسن کی تاب نہ لا سکے اور بولے ——

"ریشا! حسن اپنا سر نہیں جھکاتا اور دوسروں کا جھکا دیتا ہے۔ تم دونوں کو باعزت بری کیا جاتا ہے۔ ملاح اپنے گھر جا سکتا ہے اور تم جب تک فارغ نہیں ہو جاتی ہو، شاہی دیکھ ریکھ میں محلوں میں رہو گی۔ یہ دونوں مسافر بھی جا سکتے ہیں تم دونوں اپنے مشن میں سپھل ہو گئے ہو اور ہم نے جل دیوتا پر عدم اعتماد جاری کر دیا ہے۔ آج سے کوئی بھی فیصلہ اس کے ذریعے نہیں کیا جائے گا۔"

یہ سن کر مسافر خوش ہو کر آداب بجا لائے اور چلے گئے۔ مگر وزیر اعلیٰ سے چپ نہ رہا گیا۔ وہ بولا ——

"سرکار! اس طرح تو ایک ایسا وقت آجائے گا کہ لوگ کسی بھی دیوتا کو نہیں مانیں گے۔ ساری مورتیاں توڑ دی جائیں گی۔"

"ہم نے کس دیوتا کو نہیں پوجا! کس کو نہیں منایا مگر چالیس سال سے ہمارے کوئی بھی بچہ نہیں ہوا ہے اور نہ اب کچھ ہونے کی امید ہے۔ اگر کوئی دیوتا وقت کی کسوٹی پر کھرا نہیں اترے، مصیبت میں مددگار ثابت نہ ہو تو اس کو ماننے سے کیا فائدہ؟ جس دھرم کی بنیاد ایسے نکمے، ناکارہ اور فرضی دیوتاؤں پر رکھی جائے گی، اس کی بنیاد تو ہلنی ہی چاہیئے۔ وہ دھرم کہاں ہے، تماشا ہے۔ دھرم کی بنیاد تو خدا کے سہارے پر اور دھرم کی باتوں پر قائم رہ سکتی ہے۔ اگر انسان سوچنے کے طریقے اور رہن سہن کا ڈھنگ نہیں بدلے گا تو زندگی بے لطف و بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ ملاح! تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو! گئے نہیں؟"

"حضور سے ایک گزارش کرنی باقی رہ گئی ہے، اجازت ہو تو لب کھولوں!"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"حُسن اور دولت ، محلوں کی چیز ہے۔ وہیں شوبھا دیتی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں رنیتا کو اُس کی مناسب جگہ پر چھوڑ کر جا رہا ہوں لیکن اتنا اور چاہتا ہوں کہ تمام ملک کی کنواری ماؤں کو ، چاہے وہ خوب صورت ہوں یا بدصورت ، شاہی خزانے سے اور شاہی دیکھ ریکھ میں پرورش کی جانی چاہیئے اور اُن کی اولاد کو عزت کی نظر سے دیکھا جانا چاہیئے۔"

راجہ یہ سُن کر کچھ سوچنے لگا۔ پاس بیٹھے جیوتشی نے فوراً کہا ——
"مہاراج ! گذارش مان لیجئے ! اس میں آپ کی بھی بھلائی ہے۔"

○○

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ممتا

اِس وقت میری عمر لاکھوں سال کی ہے اور پتہ نہیں کہ میں کتنے سال تک اور جیوں۔ جب سے یہ دُنیا وجود میں آئی ہے، میں نے انیکوں تجربے کیئے ہیں۔ سچ مچ کوئی کسی کا نہیں ہوا۔ بھائی نے بھائی کا قتل کیا۔ دوست نے دوست کو دھوکا دیا۔ اپنوں نے اپنوں کا ساتھ چھوڑا۔ سبھی رشتے ناطے الیکشن میں کیے گئے وعدوں کی طرح ناقابلِ اطمینان اور بوڑھے کے دانتوں کی طرح بے بھروسے ثابت ہوئے۔ ایک بھی وقت پر کھرا نہیں اُترا۔ مگر تو! آدم حوّا کی قسم! اِتنی لمبی چوڑی زندگی میں بھی ایک پل کو مجھ سے جُدا نہیں ہوئی۔ تیرا خلوص و محبّت لاجواب ہے۔ اِس حقیقت کا ثبوت دینے سے پہلے تو مجھے ایک بات کہہ لینے دے۔ میں بُڈّھا کھوسٹ بھول نہ جاؤں۔

اُس رات جب اچانک سیلاب آ گیا اور ندی ایک شرابی کی طرح حد سے باہر ہو گئی تھی۔ ہم دونوں دِن بھر کھیت میں کام کرنے سے اِتنے تھک گئے تھے کہ کھاٹ پر پڑتے ہی نیند آ گئی۔ اپنی پانچ سال کی بیٹی کو اُس کی گڑیا دے کر جیسے تیسے سلایا تھا۔ باہر بڑی مست ہوا چل رہی تھی۔ ننھی ننھی بوندیں سنہرے پر مضراب کا کام کر رہی تھیں اور ایک مدھر سُر سا پیدا ہو رہا تھا۔ ایسے نشیلے ماحول میں روگی بھوگی، سوگی، جوگی ان چار کو چھوڑ کر کس کو نیند نہیں آتی۔ سمندر سے جا ملنے کے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

عشق میں دیوانی ندی نے دھیرے دھیرے گاؤں کے ایک طرف کا حصّہ نیچے ہی نیچے گلا کر خالی کر دیا اور اُس کٹان سے دھڑا دھڑ مکان ایسے گرنے لگے جیسے کٹے ہوئے پیڑ۔ ندی کی تیز دھار نے نہ مسجد کو بخشا نہ مندر کو چھوڑا، نہ بیوہ کا گھر نہ ظالم و مظلوم کی کُٹیا۔ پوری بستی میں ہا ہا کار مچا ہوا تھا۔ جب آدھا مکان میرا بھی چھپاک سے تیز رو پانی میں جا گرا تو میں ہڑبڑا کے اُٹھا اور دیکھا تو مکان کا وہ حصّہ پانی میں بہہ گیا تھا جس میں میری بیوی اپنی بیٹی کے ساتھ سوئی ہوئی تھی۔ قُدرت بھی جب ظُلم کرنے کی ٹھانتی ہے تو چور ڈکیتوں کی طرح رات ہی کا وقت چُنتی ہے۔ زلزلے اکثر رات ہی کو آتے ہیں، سمندر کا پانی رات ہی کو چڑھتا ہے، مدّوجزر کبھی دن میں نہیں آتا، سیلاب بھی رات ہی میں آتے ہیں۔

"ہے بھگوان! تو نے یہ کیا کیا؟" ——— گھبراہٹ میں میرے منہ سے نکلا اور میں اپنی جان لے کر گاؤں کے اونچے حصّے کی طرف جہاں مجھ سے پہلے بہت سے سیلاب زدہ لوگ پہنچ چکے تھے، بھاگ چھوٹا۔ میں بھاگتے بھاگتے تھک گیا تھا۔ میری سانسیں پھول رہی تھیں۔ میں ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا۔ کچھ دَم لیا۔ ابھی بوندیں تھمی نہیں تھیں۔ میں دِل ہی دِل میں سوچنے لگا "اگر بھگوان مجھے بھی انہیں کے ساتھ بہا دیتا تو کتنا اچھا ہوتا" ——— اسی وقت دِل کے ایک کونے سے آواز اُبھری ——— "تم بدنصیب ہو اور بدنصیب کو مانگے سے موت بھی نہیں ملتی ہے۔" میں نے اِس حقیقت کو معلوم کر لیا اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ اب میری سانسیں نارمل ہو چکی تھیں۔ میں وہاں سے اُٹھا اور دوسرے لوگوں کے قریب پہنچا تاکہ معلوم کروں کہ کِس کا کیا کیا نقصان ہوا ہے۔ سب کی باتیں سُنیں۔ سب کا دُکھڑا سُنا۔ کتنے ہی لوگ مجھ سے بھی زیادہ بدنصیب تھے۔ کسی کو خود سے زیادہ دُکھی دیکھ کر اپنا دُکھ معمولی لگنے لگتا ہے۔ یہی میرا حال ہوا۔ میں نے اپنے صدمے کو برداشت تو کر لیا مگر یہ منظر میری آنکھوں کے سامنے موتیا بند کے پانی کی طرح ہر جگہ ہر وقت چھایا ہوا تھا۔ ساری رات لوگوں کے دُکھ درد سننے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

سنانے میں بیت گئی۔ بڑی بے چینی تھی، بُرا حال تھا۔ گھر کے گھر تباہ ہو گئے تھے
وہ بڑا کارساز ہے، مہربان ہے، رحیم ہے، کریم ہے۔ آج میرے دِل و دماغ
میں پُرانے کرایہ دار کی طرح بسی ہوئی یہ باتیں نوابوں کی شان میں لکھے گئے قصیدوں
کی طرح بے معنی محسوس ہونے لگیں۔ ایک طرف تو لوگ باگ فلک بوس محلوں میں
سُکھ سے سو رہے ہیں اور دوسری طرف ندی کنارے کے تمام گاؤں کٹتے بہتے
چلے جا رہے ہیں ۔ اگر یہ سچ مان لیا جائے کہ یہ لوگ اپنے اپنے کرموں کے پھل
بھوگتے ہیں تو کٹے ہوئے گاؤں میں سب گنہ گار اور پاپی تھے اور جو کٹ نہ سکے
وہ سب پارسا تھے۔ دھرم کے ٹھیکیدار کچھ بھی کہیں مگر میرا تجربہ تو یہ بتاتا ہے
کہ دُنیا والوں کی طرح بھگوان بھی بڑوں پر کرم اور چھوٹوں پر ستم کرتا ہے۔ اس کے
یہاں بھی مُنھ دیکھا انصاف ہے۔"

میں دِل جلا اِس طرح سوچ وِچار رہا تھا کہ پیچھے سے منصور علی میرا پڑوسی
آدھمکا اور بولا ــــــ "کہو بھئی کیا حال ہے۔" میں نے حقیقت بیان کی تو
وہ رونے لگا۔ میرا بہت اُچھا پڑوسی تھا۔ دِل سنبھال کر اس نے آگے کہا ــــ
"جو ہونا تھا، وہ تو ہو گیا۔ یہاں سے دس پندرہ کوس پورب میں کوسی ندی
کے پُل کے آس پاس مچھیروں نے پورے پاٹ پر جال پھیلا رکھے ہیں۔ چلو
وہاں چلتے ہیں۔ تمھاری بیٹی اور بیوی کا کچھ پتہ ضرور چل جائے گا۔ کم سے کم
اپنے ہاتھوں سے ان کی گت مُگت تو کر دو گے۔"

میری سمجھ میں منصور علی کی بات جچ گئی اور دونوں منزلِ مقصود کی طرف چل دیے۔
برسات کے دِن تھے۔ کیچ کاندا کا راستہ تھا۔ پیدل پیدل چلتے چلاتے شام کے پانچ
بجے پُل پر پہنچ گئے۔ پوچھ تاچھ کی تو ملّاح نے کہا ــــ "صبح پانچ کے قریب ایک
پانچ چھ سال کی لڑکی کی لاش روشن پور کے کلّو خاں کو ملی تو تھی۔ ایک گڑیا بھی اُس
کی بغل میں دبی ہوئی تھی۔ بڑا دردناک منظر تھا۔ بچّی نے مرتے دم تک کھلونا نہیں
چھوڑا تھا۔" یہ کہہ کر ملّاح چُپ ہو گیا۔ ہم روشن پور چل دیے اور پوچھتے پاچھتے اس

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کے گھر بھی پہنچ گئے۔ وہ اپنے جانوروں کو کھولنے باندھنے لگا تھا۔ اُس کے چہرے پر داڑھی تھی پچاس سے اوپر کا معلوم ہوتا تھا۔ ہم نے سلام کیا اور اپنا تعارف دیا۔ ساری کتھا سُنائی۔ اُس نے بڑی ہمدردی سے برتاؤ کیا۔ خاطر تواضع کی۔ اور بولا ـــــ "جی ہاں! صبح بغل میں کھلونا دبائے ایک بچّی کی لاش ملی تو تھی۔ میں نے مُسلمانی طریقے سے عزّت کے ساتھ اُس کو دفنا بھی دیا مگر آپ تو ہندو ہیں"

"جی ہاں! میں ہندو ہوں مگر بچّوں کو تو ہمارے یہاں بھی دفنایا ہی جاتا ہے۔ چھوٹے بچّوں کو دیکھ کر ہندو مُسلمان کی کوئی پہچان نہیں ہوتی ہے۔ وہ تو درزی کے پاس آنے سے پہلے کورے کپڑے کی طرح ہوتے ہیں۔ کیا وہ گڑیا آپ کے پاس ہے؟"

"نہیں، بھائی جان! پہلے تو ہم نے اس کو نکال لیا تھا مگر بعد میں اُس کے عزیز کھلونے کو جس کو اُس نے ہر حال میں اپنے ساتھ رکھا، اُسی کے ساتھ رکھ دیا۔ اس طرح رُوح کو تسکین ملے گی۔"

"کہاں ہے اس کی قبر؟" ـــــ میں نے اندھیرے سے اُبھرے صبح کے اُجالے کی طرح غم میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"چلیئے! مَیں چل کر بتاتا ہوں" ـــــ اتنا کہہ کر کلّو خاں میرے ساتھ ہو لیا اور قبر پر لے گیا۔ مَیں نے چوہے کی طرح جلدی جلدی انگلیوں سے مٹّی ہٹا کر قبر خالی کی۔ مجھے وہی گڑیا دِکھائی دے گئی۔ میں نے اُس کو دھو یا صاف کیا اور اُس کو پیار کیا۔ پھر اپنی بیٹی کا چہرہ صاف کر کے پیار کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ پہلے کی طرح مجھ سے کہنے والی ہے ـــــ "پتا جی! تم آ گئے!" وہ مر چکی تھی مگر مجھ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ ممتا آدمی کو پاگل بنا دیتی ہے۔ پھر میں نے اُس کو ہمیشہ کے لیئے آنکھوں سے اوجھل کر دیا۔ کم بخت آنسو بھی منظر کو دھندلا کرنے کے لیئے تیّار ہی بیٹھے تھے۔ دُنیا میں اپنوں کو اپنوں کی خوشی گوارہ نہیں ہوتی ہے۔ میں نے گڑیا سنبھال کے رکھ لی۔ یہ اُس کی آخری حسین یادگار تھی۔ یا دام ہوتی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ہے۔ یہ میرے غموں کو ہلکا کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔ میں نے گھر کو روانہ ہوتے وقت کلّو خاں کا شکریہ ادا کیا اور کہا ـــــ "کلّو خاں تم نے یہ کام کسی بھی نظریے سے کیا ہو، تعریف کے قابل ہے اور تمھارے بھلے مانس ہونے کا ثبوت ہے۔ تم چاہے کسی بھی صدی کے انسان ہو مگر اس صدی کے انسان نہیں ہو سکتے۔ اس دَور میں تو لوگ باگ ایک دوسرے کی مٹّی خراب کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ کپڑے اتارنے کی جُگت لگا رہے ہیں۔ کیا کسی عورت کی لاش بھی ملی تھی؟" ـــــ میں نے آخر کلّو خاں سے سوال کیا۔ اُس نے اُداسی سے انکار کرتے ہوئے سر ہِلایا۔ تبھی میرے دِل نے مجھ سے کہا ـــــ "وہ اُسی جگہ مکان کے ساتھ دفن ہو گئی ہوگی۔"

کلّو خاں کچھ سوچ کر بولا ـــــ "جس وقت میں کھانا کھانے آ گیا تھا، اُس وقت کسی کو کسی عورت کی لاش ملی ہو، اِس کا پتہ نہیں۔ عام طور سے تیراک لاشوں کو ناؤ پر کھینچ کر وہیں اُس کے ناک کان صاف کر کے پانی میں بہا دیتے ہیں۔ اسی لالچ میں تو وہ اپنی جان جوکھم میں ڈالتے ہیں۔ سبھی کا منشا کمانا ہے۔"

"مگر میری لڑکی کے پاس تو ایک چھلّا بھی نہیں تھا۔ پھر تم نے اُس کے ساتھ اِتنا اچھا برتاؤ کیوں کیا؟" ـــــ میں نے یہ سوال کیا مگر پھر پچھتایا کہ اتنی گھٹیا بات مُنہ پر نہیں لانی چاہیئے تھی۔ وہ بُرا مان سکتا تھا لیکن اُس کے چہرے پر شکن بھی نہیں آئی اور وہ نرمی سے بولا ـــــ "میرے پاس بھی اِتنی ہی بڑی ایک لڑکی تھی۔ جو میری عدم موجودگی میں تیرنے کی مشق کرتے ہوئے ڈوب گئی تھی۔ اُس کی لاش بھی کہیں نہیں ملی یا تو اُس کو مچھلیاں کھا گئی ہونگی یا پھر........" ـــــ کہتے کہتے اُس کا گلا بھر آیا۔ وہ پھر کچھ دیر چپ رہا۔ پھر سنبھل کر بولا ـــــ "بے رحم موت ماں باپ سے سب کچھ چھین سکتی ہے لیکن ممتا نہیں چھین سکتی۔ اِسی جذبے نے آج مجھے تمھاری بیٹی کے ساتھ یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کچھ دیر کو تو مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ میں اپنی ہی بیٹی کو سپرد کر رہا

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کر رہا ہوں۔"

"اُس کے جسم پر سُرخ سوٹ تھا اور پیروں میں چھ چھ انگلیاں تھیں"۔۔۔۔ منصور علی نے فوراً کہا۔ میں چپ رہنا چاہتا تھا مگر دوسرے کے منہ پر چپّن کیسے رکھتا۔

"بالکل صحیح بات ہے مگر تم کو یہ کیسے معلوم ہے؟"۔۔۔۔ کلّو خاں نے پوچھا۔ اُس وقت کلّو خاں کا چہرہ دیکھنے لائق تھا۔ اولاد کا درد بھی عجیب درد ہوتا ہے۔

منصور علی نے جواب دیا۔۔۔۔ "یہ میرا دوست ہے۔ اِس کی سُسرال یہاں سے پندرہ سولہ کوس پورب میں اِس ندی کے کنارے پر ہے۔ ایک دِن یہ اپنی سُسرال میں تھا اور ندی پر نہانے گیا تھا کہ ایک لڑکی کی لاش پانی میں آتی ہوئی دِکھائی دی۔ اِس نے پانی میں چھلانگ لگا دی اور تیر کر اُس کو اِس پار لے آیا۔ یہ نہانے کے بعد بدلنے کو جو نئی دھوتی لے گیا تھا، اُس کو اِس لڑکی پر کفن کے لیے استعمال کر لیا اور ہندو طریقے سے دفنا دیا۔ یہ واقعہ اِس نے گھر آکر مجھے سُنایا تھا۔"

یہ سُنتے ہی کلّو خاں نے گنگا پرشاد کو بازوؤں میں بھینچ لیا۔۔۔۔ "تم تو مجھ سے بھی آگے نکل گئے، میرے دوست! مجھے تو ممتا نے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا لیکن تم کو انسانیت نے ایسا کرنے کو اکسایا تھا کیوں کہ اُس وقت تمھارے پاس کوئی بچّہ نہیں تھا۔ اِنسانیت کا درجہ ممتا سے کہیں آگے ہوتا ہے۔"

کلّو خاں چُپ ہوا تو میں نے کہا۔۔۔۔ "میرے بھائی جیسے محبّت ہی خدا ہے، ویسے ممتا ہی انسانیت ہے۔"

کلّو خاں کا چہرہ بہت خوش تھا۔ ہم نے مُڑ مُڑ کر بہت دور تک دیکھا کہ وہ ایک ہی جگہ کھڑا ہم کو نظروں سے اوجھل ہونے تک دیکھتا رہا تھا۔

میں کھیت سے ہارا تھکا گھر آنے کے بعد گھٹنوں گڑیا کو مخاطب کر کے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

اپنی بیٹی سے کی جانے والی باتیں دُہراتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گڑیا کے اندر سے بھی میری بیٹی کے مُنہ سے نکلے تمام توتلے الفاظ نکلتے سُنائی دے رہے ہیں۔ کبھی کبھی میں زندگی سے اُوب جاتا تھا اور اس بے مقصد جینے سے ندی میں کود کر مرنا اچھا سمجھنے لگتا تھا۔ مگر یہ گڑیا میرے بُزدے پن پر ہنسنے لگتی اور مجھے کسی حسین یادگار کے سہارے جیتے رہنے پر ہی راضی کر لیتی تھی۔ میں نے ساری زندگی اِسی طرح بتادی۔ وہ دونوں تو مجھ سے الگ ہوگئے مگر تو، ابھی تک میرے ساتھ ہے۔ یہی میری حیات و بقا کا راز ہے۔ مل گیا نہ ثبوت اِس حقیقت کا۔ ○○

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

بچھڑے ہوئے لوگ

میں ایک کباڑیا ہوں اور میرا مکان بستی کے باہر میونسپل چُنگی کے قریب ہے۔ میرے گھر کے سامنے سڑک کی دوسری طرف خالی جگہ پر دو ڈیرے کچھ دنوں سے ایک دوسرے سے ذرا فاصلے پر نصب ہو گئے ہیں۔ جس طرح اکثر نٹ، کنجڑ اور دوسرے خانہ بدوش جگہ جگہ ڈیرے ڈال کر کچھ وقت گزار کر پھر کسی دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔ میری بستی کے رہنے والے عام رہ گیران دنوں دونوں ڈیروں کو دیکھتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور کوئی بھی اِن ڈیروں کے مقیموں سے نفرت کے مارے بات تک نہیں کرتا کیوں کہ اِسے وہ باعثِ شرم سمجھتے ہیں۔

ایک دِن مجھے یوں ہی خیال آیا کہ اُن ڈیروں میں رہنے والے بچھڑے لوگوں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کروں۔ چُنانچہ میں بے دھڑک اُن ڈیروں کی طرف چل دیا۔

ایک ڈیرے میں ایک آدمی رسّی بٹ رہا تھا اور اُس کی بیوی بکرے کے سر کو درانتی سے پھاڑ پھاڑ کر ٹکڑے کر رہی تھی۔ اُس کے تین بچے کنکڑوں سے کھیل رہے تھے۔ دوسرے ڈیرے میں ایک عورت چھوٹی مچھلیاں صاف کر رہی تھی اور اُس کے چھ بچے کھیل کود میں مست تھے۔ میں نے رسّی بٹنے والے شخص سے دونوں پریواروں کے بارے میں متعارف ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ پہلے تو وہ کچھ مُسکرایا مگر

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

فوراً ہی انتہائی سنجیدگی کے ساتھ کہنا شروع کیا ــــــــــ

"میرا نام امر اور سامنے والے کو سوکھا حکیم کہتے ہیں۔ وہ میرا سگا بھائی ہے اور چورن بنا کر بازاروں میں بیچتا ہے۔ اُس کی بیوی بازار سے سستے داموں دھوتیاں خرید لاتی ہے جن کو امیر لوگ اپنی کاروں کی صفائی میں استعمال کرتے ہیں۔ اُن سے پتلی پتلی پٹیاں بنا کر اُن کے موٹے سوت کی طرح بٹائی کر لیتی ہے اور اُن کی دریاں بنا کر گاؤں میں بیچ آتی ہے، جنھیں غریب لوگ خرید لیتے ہیں۔ کارخانے کی بنی ہوئی دریوں کی طرح وہ خوب صورت تو نہیں ہوتی ہیں لیکن سستی اور مضبوط ضرور ہوتی ہیں۔ تین دن میں ایک دری بنا لیتی ہے۔ خالی بیٹھنے کا بھی تو زمانہ نہیں ہے۔ بیکار پڑے پڑے دل بھی نہیں لگتا ہے۔ اُس کی مالی حالت مجھ سے اچھی ہے مگر میں بھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا ہوں۔ میں رسّیاں بناتا ہوں جو کسانوں کے کام آتی ہیں۔ چارپائیوں کی ادوائن بھی بنتی ہے۔ میری بیوی اُن رسّیوں کو گاؤں میں گھوم پھر کر بیچ آتی ہے اور رات کو وہ میرے کام میں ہاتھ بٹاتی ہے۔"

"یہ کام تم اپنی بیوی ہی سے کیوں کراتے ہو؟"

خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا کہ ــــ "بکری کا کام مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ کامیابی سے کر لیتی ہیں۔"

اُس نے ریمارک کرتے ہوئے سلسلۂ کلام جاری رکھا ــــ "آپ دیکھتے نہیں شہروں میں بڑے بڑے مہذّب گھروں کی لڑکیاں سیلز گرل بنی ہوئی ہیں؟ اِسی طرح میری بیوی میری نسبت اچھی بکری کر لیتی ہے، کیوں کہ کسان لوگ دن بھر کام میں مصروف رہتے ہیں۔ گھر پر اکثر کم ملتے ہیں۔ بیوی گھر گھر عورتوں میں جا کر اپنی غریبی مجبوری ظاہر کر کے اُن کو کچھ نہ کچھ خریدنے پر راضی کر لیتی ہے۔ عورتیں نرم دل تو ہوتی ہی ہیں۔ جلدی پسیج جاتی ہیں۔ اِس طرح ہم دونوں خاندان آرام سے گزارا کر رہے ہیں۔ کوئی بُرا شوق ہم لوگوں میں ہے نہیں!"

یہ کہتے ہوئے وہ سَن کی گچھی سلجھانے لگا۔ میں نے اُس کے ڈیرے پر نظر

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ڈالی جو بہت گندہ اور پُرانا تھا۔ جہاں تہاں اُس پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ پھر ایک نظر سوکھا حکیم کے ڈیرے پر ڈالی۔ یہی گت اُس کی تھی۔ ہلکا کپڑا ہونے کی وجہ سے اُس کی چھاؤں گھنی نہیں تھی اور گرمی کے مارے بُرا حال تھا۔ میں نے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے اس سے کہا ــــــ

"اگر تم اپنے ڈیروں کو کسی پیڑ کے سائے میں لگایا کرو تو اِس گرمی اور گھٹن سے تو بچ جاؤ!"

یہ سُن کر وہ مُسکرایا، جیسے کہ میرا مشورہ اُس کی نظر میں بچکانا اور ناقص تھا۔ اُس نے مونچھوں کو سنبھالتے ہوئے کہا ــــــ

"سیٹھ جی! زندگی میں پہلی بار آپ نے ہماری پریشانیوں کا احساس کیا ہے اور اِس طرح ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ آپ جیسے لوگ اگر دیش کی باگ ڈور سنبھال لیں تو سچ مچ غریبی مِٹ جائے۔ بدقسمتی سے حکومت اُن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو ایرکنڈیشنڈ کمروں میں رہتے ہیں۔ آپ کی محبّت اور مشورے کا شکریہ۔ کیا کبھی آپ نے سوچا ہے، بھنگیوں کے محلّے میں بدبو آتی ہے مگر وہ لوگ پریشانی محسوس نہیں کرتے اور خوش خوش وہیں رہتے ہیں۔ مذبح کے پاس سڑاند آتی ہے مگر اُس کے آس پاس بھی لوگ بستے ہیں۔ مچھیروں کی بستی میں کوراند آتی ہے، لیکن وہاں بھی لوگ رہتے ہیں۔ بھیڑوں کے باڑے کی کچّی کھال ہڈّی اور سینگ کے کارخانے میں کیا کم بدبو آتی ہے، مگر وہاں بھی لوگ کام کرتے ہیں۔ یہ سب احساس اور برداشت کا کھیل ہے۔ مسلسل اِس ماحول میں رہتے رہتے ہمیں گرمی سردی کی برداشت ہو گئی ہے۔ دیکھیے آپ پسینے میں شرابور ہیں اور ہمارے ماتھے پر بوند تک بھی نہیں۔ پیڑوں کے نیچے ڈیرا لگانا ہمیں اِس لیے پسند نہیں ہے کہ وہاں سے ڈیرے پر بندر بھی کود سکتا ہے۔ طرح طرح کے کیڑے مکوڑے بھی گر سکتے ہیں۔ تیز ہوائیں چلنے پر شاخیں بھی ٹوٹ کر گر سکتی ہیں۔ پھل دار پیڑ ہو تو اس کے پھل بھی گر سکتے ہیں اور اُنھیں توڑنے کی کوشش میں پھینکے گئے ڈھیلے پتھر بھی۔ چاندنی کا

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

فائدہ بھی نہیں اُٹھا سکتے۔ بارش بند ہونے کے بہت دیر تک پیڑ کے پتّوں سے بوندیں ٹپکتی رہتی ہیں۔ میں دھوپ سے زیادہ سائے کو خطرناک سمجھتا ہوں۔ اُجالے سے زیادہ اندھیرے میں ظُلم ہوتے ہیں۔ غیر آباد جگہ پر کچھ دِنوں بسے، کمایا کھایا۔ پھر کہیں آگے جا پڑاؤ ڈالا۔ کوئی ہمیں اُکھاڑنے کی کوشش بھی نہیں کرتا، کیوں کہ بے ایمان کرائے داروں کی طرح کسی کی جگہ پر قبضہ نہیں کرتے ہیں۔"

"برسات میں تو بہت پریشانی ہوتی ہوگی"—— میں نے ضمناً دریافت کیا۔

ٹانگ پر رینگ رہے چیونٹے کو پھونک سے گرا کر اُس نے کہا—— "برسات میں تو ہر غریب کو پریشانی ہوتی ہے لیکن اس موسم کا اپنا ایک لُطف بھی ہے۔"

مختصر سا جواب دے کر وہ چُپ ہوا تو میں نے پوچھا——

"تم نے اِس چیونٹے کو پھونک سے کیوں گِرایا۔ انگلیوں سے پکڑ کر کیوں نہیں پھینک دیا؟"

زیرِ لب مسکراہٹ سے کہنے لگا—— "پھونک سے اُسے کوئی تکلیف نہیں ہوئی، انگلیوں سے پکڑ کر پھینکنے پر وہ دباؤ سے مر بھی سکتا تھا۔ جیووں پر دیا کرنی چاہیے۔"

میرے دل میں آیا کہ اُس سے کہوں کہ تمھاری بیوی ابھی بکرے کا سر کاٹ چھانٹ رہی تھی، کیا وہ جیو نہیں تھا؟ مگر مَیں خاموش رہا کیوں کہ اُس نے میرے سوال کا صحیح جواب دے دِیا۔

"تم لوگ رات کو آرام سے سو لیتے ہو؟"—— مَیں نے اُن کی غیر محفوظ زندگی کے بارے میں معلومات کرنے کے خیال سے یہ سوال کیا۔ وہ چونکتے ہوئے بولا——

"کیوں سونے میں کیا پریشانی ہے؟ نہ کسی کا لینا نہ کسی کا دینا۔ سُکھ سے سونا سُکھ سے رہنا۔"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"لین دین کی فکر ہی تو سُکھ شانتی کی دُشمن نہیں ہوتی ہے اور بھی تو بہت سی باتیں ہیں۔ تم لوگ ہمیشہ غیر آباد جگہوں پر ڈیرا ڈالتے ہو......"

اُس نے میرا سوال پورا بھی نہیں ہونے دیا اور میرا مقصد سمجھ کر بول پڑا ——
"ہم ایسی جگہ جاکر پڑاؤ ڈالتے ہیں کہ اپنی حفاظت کی فکر ہی نہیں رہتی۔ آپ لوگوں سے زیادہ سرکار ہماری حفاظت کرتی ہے۔"

وہ اِتنا کہہ کر بیڑی سُلگاتے ہوئے کہنے لگا —— "سیٹھ جی! ہم ہمیشہ پولیس چوکی کے پاس بستے ہیں، یا میونسپل چُنگی کے پاس۔ اِن دونوں جگہ رَت جگا رہتا ہے۔"

اِتنا کہہ کر اُس نے بیڑی کا لمبا کش مارا اور میں ان لوگوں کی ہوشیاری اور حقیقت کو سمجھ گیا۔ خانہ بدوش لوگوں کی زندگی علم سے کم، تجربے سے زیادہ معمور ہوتی ہے۔

"کیا تم لوگ کبھی اپنے ننھے مُنّے بچّوں کے مستقبل کے بارے میں بھی سوچتے ہو؟" —— یہ میرا آخری سوال تھا۔

"ہم کل کی نہیں، آج کی فکر کرتے ہیں جو کچھ ہم کر رہے ہیں، یہ بھی وہی کرنے لگیں گے، یا حالات کے مطابق جو اُن کے مزاج میں آئے گا، اپنا لیں گے۔ ہم نے بھی تو ایسا ہی کیا ہے۔ ہمارے پُورَوج رانا پرتاپ سنگھ کے قلعے میں تلواریں، بلّم، برچھی بناتے تھے۔ جب اُن کا راج پاٹ چھِن بھِن ہوگیا تو ہم لوگ بھی اِدھر اُدھر بھاگ نکلے اور خانہ بدوشوں کی طرح بیل گاڑیوں پر ضروری سامان لیے گھومنے پھرنے لگے مگر پیشہ وہی رہا۔ اِتنی تبدیلی ضرور آگئی کہ ہم لوگ کِسانوں کی ضرورت کے سامان بنانے لگے۔ مجھے وہ دھندہ مشکل اور کم فائدے کا لگا۔ اِس لیے میں نے اُس کو چھوڑ دیا۔ سوکھلا نے بھی چھوڑ دیا۔ وہ بھاؤ پرکاش کے ایک نسخے کے مطابق چُورن بنا بنا کر بیچنے لگا اور میں نے رسّی بنانے کا کام شروع کر دیا۔ رام بانس جنگل میں کافی ملتا ہے۔ مُفت کی چیز ہے۔ ذرا محنت کا کام

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ہے۔ اُسے کاٹ لاتا ہوں اور اُس کی سَن سے رسّی بنا لیتا ہوں۔ ہمارے ان دھندوں میں کوئی خاص خرچہ نہیں ہوتا ہے۔ سرکار ہمارا کوئی خیال نہیں کرتی۔ ویسے جب ہمارا کوئی ٹھور ٹھکانا ہی نہیں ہے تو سرکاری لون بھی کیسے ملے؟ قرض اُسی کو ملتا ہے، جس سے ادائیگی کی امید ہو۔ چنانچہ ہم غریب ہی بنے رہتے ہیں۔ ہم سب کی نظروں میں جنگلی اور پچھڑے ہوئے ہیں۔ پیٹ پالنے کے لیے کچھ بھی کر لیتے ہیں۔ کیسے بھی جی لیتے ہیں، کیسے بھی رہ لیتے ہیں۔ شوق ہم لوگوں کو کوئی ہے ہی نہیں۔ دوسرے ہماری اوقات بھی نہیں کہ تفریح کے لیے کچھ خرچ کریں۔ گانے ہر وقت مُفت سننے کو مل ہی جاتے ہیں۔ ہر گھر میں رکھا ٹی۔ وی، ریڈیو ہو یا گلے میں لٹکتا ٹرانسسٹر فلم کے ایڈورٹائزرس کی طرح بلند آواز ہی میں بجائے جاتے ہیں۔ کسی کو نہ تو کسی پڑھنے والے کی فکر ہے اور نہ ہی عبادت کے وقت کا لحاظ۔ انھیں نہ تو قانون روکتا ہے نہ سماج ٹوکتا ہے۔ جس طرح سچ کی تعریف کرنے والے ہی جھوٹ زیادہ بولتے ہیں، بالکل ویسے ہی شانتی کا ڈھنڈورا پیٹنے والے ہی زیادہ اشانتی پھیلاتے ہیں۔"

میں چُپ چاپ یہ سب کچھ سُنتا رہا۔ امر کو یہ بھی خیال نہیں تھا کہ وہ ہندوستانی ذہنیت کے مطابق میرے سوال سے کہیں زیادہ جواب میں بول چکا تھا۔ میں نے بھی کچھ نہیں کہا کیوں کہ اُس کی باتیں دلچسپ تھیں۔ دوسرے کسی دُکھیا کو اپنی کہانی سُنانے سے بھی راحت ملتی ہے۔ میں امر سے پھر ملنے کا وعدہ کر کے اپنے گھر واپس آتے ہوئے سوچتا رہا کہ ہم جن لوگوں کو پچھڑے ہوئے، غیر مہذب، جنگلی سمجھتے ہیں اگر اُن کو اچھی تعلیم ملے تو ان میں سے بہت سے ایسے لوگ بھی نکل سکتے ہیں جو دیش کی کایا پلٹ کر دیں، لیکن اِدھر ابھی کسی کا دھیان ہی نہیں گیا ہے اور صحرا میں بیش قیمتی جڑی بوٹیوں کی طرح یہ لوگ جنم لیتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں۔ اب تک ان خانہ بدوشوں کی بابت میرے دل میں جو شکوک تھے، وہ جاتے رہے۔ میری طرح اور لوگوں کو بھی خانہ بدوشوں کے بارے میں کئی شکوک ہوتے ہیں۔ ممکن ہے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کچھ افراد اِن میں غنڈے بدمعاش بھی ہوں جیسے ہر فرقے میں اچھے برے ہر قسم کے افراد ہوتے ہیں۔ مگر امر اور سوکھا حکیم کے ڈھنگ دیکھ کر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں کی طرح سبھی لوگ یکساں نہیں ہو سکتے۔ بیوہ اور بے بس پہ سبھی انگشت نمائی کرتے ہیں۔ حاکم اور ظالم سے کوئی نہیں پوچھتا کہ اُن کے مُنہ میں کتنے دانت ہیں۔ سرکاری چھاپے زیادہ تر بیوپاریوں کسانوں ہی کے گھر پڑتے ہیں۔ کوئی افسروں کے دروازے پر جاکر نہیں پوچھتا کہ تمھاری آمدنی کے مقابلے اخراجات کئی گنا زیادہ کیسے ہیں۔ یہ سوچتے ہوئے اپنے مکان پر پہنچا تو دروازے پر ایک ٹرک کھڑا تھا۔ میں نے ڈرائیور سے پوچھا ——— "کیا معاملہ ہے؟"

"ٹرک زنِ حاملہ ہے!"

میں عرصہ دراز سے نمبر ۲ کا دھندہ کر رہا ہوں۔ ڈرائیور نے کوڈ ورڈ صحیح بتایا تھا لہٰذا میں نے فوراً مکان کا پھاٹک کھول دیا اور ڈرائیور ٹرک کو صحن میں لے آیا۔ دھرم کانٹے سے ملی ہوئی پرچی ڈرائیور سے لینے کے بعد مال اُتروالیا۔ ایسے دھندے میں پولیس کا ڈر ہوتا ہے مگر "سیّاں بھئے کوتوال تو ڈر کاہے کا۔" پولیس کا حصّہ ہر ماہ پہنچاتا رہتا ہوں۔ آج کے مال میں ریلوے کا مال زیادہ ہے۔ اِسی لیے ڈرائیور نے ٹرک کو زنِ حاملہ کہا تھا۔ اِس میں مجھے نفع زیادہ تھا مگر جوکھم بھی کم نہ تھا۔ آر۔پی۔ایف کا کرم چاری حساب لے کر چلا گیا۔ میں بچے ہوئے نوٹ جیب میں سرکاتے ہوئے سوچنے لگا۔ رشوت، ٹیکس کی چوری نمبر دو کے دھندے، سبھی غیر قانونی ہیں، لیکن اِس دور میں یہی فائدے کے دھندے ہیں۔ سرکاری کرم چاری سرکاری مال اونے پونے میں بیچ کر چلتا بنا۔ اِس طرح محکمۂ ریلوے کو گھاٹا نہیں ہوگا تو کیا ہوگا۔ آلو کی بوریوں سے کھچا کھچ بھرے کولڈ اسٹور یج کی طرح مسافروں سے بھری گاڑیاں روز آتی جاتی ہیں۔ مگر مال کی مار دھاڑ اور ٹکٹوں کی چوری کا یہ نتیجہ ہے کہ ریلوے ڈیپارٹمنٹ ہر سال گھاٹے میں جاتا ہے اور سرکار اِس گھاٹے کو پورا کرنے کے لیے ہر سال ٹیکسوں میں اضافہ کرتی ہے ہم کا یہی حال ہے بڑے لوگ کررہے ہے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ہیں اور چھوٹے بوجھ سے دَب رہے ہیں۔ سوچتے سوچتے میرا سر بھاری ہو گیا۔ میں نے جھٹکا دے کر سر کو ہلکا کیا۔ "اکیلے چنے سے بھاڑ نہیں پھوٹتا ہے۔ ایک اچھا بھلا آدمی پورے دیش کو تو اچھا بھلا نہیں بنا سکتا۔" میرے دماغ میں یہ خیال آیا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دوڈر چورلاہے پر گاندھی جی کا بُت دکھائی دیا اور اُسی وقت دماغ میں یہ خیال آیا کہ اِس اکیلے شخص نے بھی تو پورے دیش کو بدل ڈالا تھا، انگریزی حکومت سے نجات دلادی تھی۔ مگر اِن جیسا وطن پرست، حق پرست اور قوم پرست بھی تو ہونا چاہیئے۔ اِس دَور میں یہ صفات تو عنقا ہیں۔ ہر ایک خود غرض ہے اور دولت کمانے کی فکر کے علاوہ اور کچھ اِرادہ ہی نہیں رہ گیا ہے۔

"حرام زادی میری تمام دِن کی محنت کو مٹی میں ملادیا" ـــــــ یہ چونکا دینے والے الفاظ جوں ہی میں نے بلند آواز میں سُنے تو میرے خیالات کا تانتا ٹوٹا اور میں نے آواز کی سمت دیکھا تو اپنے ڈیرے میں سوکھا اپنی بیوی سے ہاتھا پائی کر رہا تھا۔ اُس کا بھائی اور بیوی دروپدی چیر ہَرن کے وقت پانڈوں کی طرح چپ چاپ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے بھاگ کر سوکھا کو پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا ـــــــ

"عورت پر ہاتھ اُٹھانا بُزدِلی ہی نہیں بے وقوفی بھی ہے۔ اگر بیوی سے کچھ غلطی ہو بھی جائے تو یوں ہی کہہ سُن لیتے۔ تم اپنی گرہستی کو تماشا گاہ تو مت بناؤ۔ امر! تم اور تمھاری بیوی بیٹھے بیٹھے ٹکر ٹکر دیکھتے رہے۔ سوکھا کو منع نہیں کر سکتے تھے کیا؟"

میری بات سُن کر دونوں نے ایک سُر میں کہا ـــــــ "کسی کے گھریلو معاملات میں دوسرے کو دخل نہیں دینا چاہیئے۔" یہ سُن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ میں اُن کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ کیسے عجیب لوگ تھے۔ ابھی میں سوکھا کو پکڑے ہوئے تھا تاکہ وہ پھر نہ بیوی کو پیٹنے لگے۔ سوکھا کی بیوی نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے اپنے گالوں کو سہلاتے ہوئے کہا ـــــــ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"سیٹھ جی! تم جاؤ اپنا کام کرو، میں نے پیٹنے کا کام کیا ہے، سو پٹ رہی ہوں۔ غلطی پر سزا نہ دینا ظلم کو شہ دینے جیسا ہوتا ہے۔ مجھے اپنے پٹنے کا کوئی افسوس نہیں ہے۔ میں نے کام ہی ایسا کیا ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گئی اور خاموش بیٹھ کر سلیقے سے کپڑے ٹھیک کرنے لگی۔ میں نے سوکھا کو چھوڑ دیا اور اس کی بیوی کو بغور دیکھتے ہوئے سوچنے لگا کہ شاید اس کے پٹنے کا کوئی خاص راز ہو۔ چھ بچوں کی ماں ضرور ہے مگر عورت کا کیا پتہ، کہاں اور کب ناک کٹا بیٹھے؟ اب عورتیں بھی تو آدمیوں کی دیکھا دیکھی موڈرن ہوتی جا رہی ہیں۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے سوکھا سے انتہائی نرمی سے کہا ـــــ

"بھائی تمھیں تو اس طرح غصے میں کبھی نہیں دیکھا۔ آج تمھیں یہ کیا ہو گیا؟"

"بات یہ ہوئی سیٹھ جی! میں چورن بنا کر بیچتا ہوں۔ کل فروخت کرنے کے لیے چورن کوٹ چھان کر رکھا تھا۔ اس نے چائے میں ڈالنے سے بچا ہوا بورا (شکر) اس میں ڈال دیا۔" یوں کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

میں نے کہا ـــــ "بھیا! بورا اوپر سے اتار لو۔ چورن کا کیا بگڑ گیا۔ اس طرح اس کا ذائقہ اور بھی اچھا ہو جائے گا۔"

"سیٹھ جی! دوا میں ملاوٹ کرنا پاپ ہوتا ہے۔ یہ چورن رشی منیوں کے نسخے پر بنایا گیا ہے۔ اس میں کسی بھی طرح کا اضافہ ٹھیک نہیں ہے۔ دوا میں ملاوٹ، حکیم کی گراوٹ، اور یہ حرکت کسی حکیم کی شہرت کو بگاڑنے کا موجب ہوتی ہے۔ بھگوان کی بخشی ہوئی برکت جاتی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ میرا چورن استعمال کرتے ہیں، ذائقے میں فرق دیکھ کر ملاوٹ کے خیال سے اسے خریدنا چھوڑ دیں گے۔ اس سے میری ساکھ کو دھکا لگے گا۔ یہاں روزی روٹی ہی کا نہیں پیشے کی آبرو کا بھی تو سوال ہے۔ میں چھتریوں کے ونش سے ہوں۔ مجھے اپنے اخلاق پر حرف نہیں آنے دینا ہے۔ غریب کے پاس دولت تو ہوتی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ہی نہیں، ایمان بھی نہ رہے تو وہ کس کے سہارے جیئے گا۔ اب شام ہوگئی ہے سب دوکانیں بند ہوگئی ہوں گی۔ یہ دوائیں کہیں سے نہیں مِل سکیں گی، ورنہ میں رات ہی رات میں پھر کوٹ چھان کر تیار کر لیتا۔"

سوکھا کو دلاسا دیتے ہوئے میں نے کہا ——— "تمھیں میں ابھی سب دلا دوں گا۔ چلو میرے ساتھ۔"

یہ سُن کر وہ خوش ہوگیا اور میرے ساتھ چل دیا۔ میں نے ایک ملنے والے کی دوکان کھُلوا کر پورا نسخہ دلا دیا۔ رات کے بارہ بجے تک تو میں نے اُس کے حمام دستے کی آواز سُنی۔ پھر میں سو گیا۔ پتہ نہیں وہ کب تک کام کرتا رہا۔

دِن نکلے پتہ چلا کہ بدایوں میں اُردُو بھاشا کو اُتّرپردیش کی دوسری سرکاری زبان قرار دینے کی مخالفت میں نکالے گئے جلوس نے ہندو مسلم فساد کا روپ دھار لیا اور لاکھوں کروڑوں کا مالی نقصان ہی نہیں ہُوا بلکہ کئی بے گناہوں کی جانیں بھی گئیں۔ سوکھا حکیم نے جب گھر میں اِس فساد کے بارے میں ذکر کیا، اُس کی بیوی نے کہا ———

"اُردُو ہندی کا کیسا جھگڑا؟ ——— یہ دو بولیاں ہیں۔ ایک کو ہندو بولتا ہے، دوسری کو مسلمان بولتا ہے۔ کہیں بولیاں بھی جھگڑے کی بِنا بنتی ہیں۔ ہر جانور، ہر پرندے کی بولی ایک دوسرے سے الگ ہے۔ مگر کسی کو بھی کسی دوسرے سے اِس بنا پر جھگڑتے نہیں دیکھا۔ ہمیں تو سب کی بات سمجھ میں آتی ہے، اور جیسے مسلمان بولتے ہیں، ویسے ہی ہندو بھی بولتے ہیں۔ بتاؤ میں ہندی بول رہی ہوں کہ اُردُو؟" ——— اَن پڑھ بیوی نے بھولے پن سے کہا۔

"یہی ہندی ہے اور یہی اُردُو ہے۔"

"تو پھر ہندو مسلمانوں میں فساد کا پاگل پن کیسے پیدا ہُوا؟"

"تم اپنا کام کرو، بال کی کھال مت نکالو۔ یہ بھید تمھاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ابھی اِس گھٹنا پر بات چیت ہو رہی تھی کہ چورن لینے آئے ہوئے کسی گاہک نے کہا ——

"حکیم جی! میرے بچّے کے پیٹ میں درد ہے، اسپتال نہیں جا سکتا، بستی میں جھگڑا ہو گیا۔ جلدی سے چورن دے دو۔"

سوکھا نے ڈبّہ کھولتے ہوئے پوچھا —— "کیا ہُوا؟ بھئی کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"بستی میں آگ زنی اور لوٹ مار مچی ہوئی ہے۔ کچھ لوگوں کے مرنے کی بھی سمبھاونا ہے۔ کسی ہندو کے آنگن میں چیل کے پنجوں سے چھوٹ کر کوئی تازہ ہڈی گر گئی تھی۔ اُس نے سمجھا کہ یہ کسی نے پھینکی ہے۔ بس یہی ہڈّی جھگڑے کا کارن بن گئی۔ لوگ طیش میں بھرے بیٹھے ہی تھے۔ سوکھے پھونس میں آگ لگتے دیر نہیں لگتی ہے۔ وہ تو خیر ہو گئی کہ پولیس سترک تھی۔ فوراً آ گئی۔ تمام بستی میں کرفیو لگ گیا ہے۔"

"کرفیو لگ گیا ہے؟" —— سوکھا نے پریشانی کے انداز میں پوچھا۔

"جی ہاں! کرفیو لگ گیا۔ جھگڑے شانت کرنے کے لیے سرکار کے پاس یہی ایک ہتھیار ہے۔ بھگوان جانے پبلک بھی کس مٹّی کی بنی ہوئی ہے کہ کرفیو میں اُٹھائے گئے دُکھوں کو جلدی ہی بھول جاتی ہے۔ ذرا ذرا سی باتوں پر لوگ ایک دوسرے کو مارنے کاٹنے پر اُتر آتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ سب ایک ہی بھگوان کے بنائے ہوئے ہیں۔ نہ اُنھیں مذہبی رہنماؤں کی تعلیم یاد رہتی ہے نہ دھرم گرنتھوں کے اُپدیش۔ محبت، بھائی چارہ اور برداشت کا مادّہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے زمانے میں کیا لوگ رہتے نہیں تھے۔ خود غرض راجہ یا نواب لوگوں کا خون بہاتے تھے۔ مگر پبلک پبلک سے نہیں لڑتی تھی۔ آج پرجا پرجا سے لڑتی ہے۔ پڑوسی پڑوسی کا قتل کرتا ہے۔ اِس لیے اِس خون خرابے کا انت بھی نہیں ہوگا۔"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

وہ آدمی کہے جا رہا تھا اور سوکھا حکیم چورن کی پڑیاں بناتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ آج بازار بند ہونے کی وجہ سے اِس کا چورن نہیں بِک سکے گا اور بچے بھوکے رہ جائیں گے۔ وہ تو روز کنواں کھودتا اور روز پانی پیتا تھا۔

جب چورن لے کر وہ شخص چلا گیا تو سوکھا کہنے لگا کہ پل بھر کو میرے دماغ میں آیا کہ میں اسی ایک گاہک سے دوپہر کے کھانے لائق روپئے اینٹھ لوں، مگر ایک دم خیال آیا کہ کرفیو کے وقت میں تو سونے سے بھری جیبوں والے بھی بھوکے رہ جاتے ہیں۔ جب بازار ہی بند رہے گا تو آٹا دال خریدا کہاں سے جائے گا۔" چنانچہ وہ اپنے اصول سے نہیں گرا اور چورن کے صحیح پیسے ہی لیے۔

امر کا کنبہ چھوٹا تھا۔ دوسرے اُس کی بیوی دیہات میں رتی بیچنے سویرے جایا کرتی تھی۔ اِس لیے شام کو زیادہ کھانا بنا لیتی تھی تاکہ صبح سویرے بھی وہ کچھ کھا پی کر گھر سے نکلے۔ لہٰذا امر کے کنبے نے صبح کو رات کا بچا ہوا کھانا تھوڑا تھوڑا کھالیا۔ مگر سوکھا حکیم کے بچوں کو کھانے کو کچھ بھی بچا ہوا نہیں تھا۔ اُن کو جلدی ہی بھوک ستانے لگی۔ بیوی اپنے بچوں کو رانا پرتاپ کی کہانیاں سنانے لگی۔ طرح طرح کی باتیں سنا سنا کر سمجھاتی رہی مگر بھوک اُپدیش سے اور عشق سندیش سے شانت نہیں ہوتے۔ جب بچوں کا رونا رینگنا دیکھا نہیں گیا تو بیوی نے سوکھا سے کہا ——

"تم کہو تو امر سے کچھ لے آؤں۔ اُس کی بیوی دو وقت کا راشن ضرور رکھتی ہے"

"پریشانی کے وقت میں اپنوں سے مدد لی ہی جاتی ہے، لیکن یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے کہ پڑوسی یا اپنا واقعی مدد کرنے کی حالت میں ہے کہ نہیں، ایسے موقعے پر بڑے بڑے حاتم صفت انسان منہ پھیر لیتے ہیں۔ وہ تم سے غریب ہے۔ اُس نے کوئی طعنہ مار دیا تو منہ لٹکائے آؤ گی"

"وہ اپنا ہے اور اپنے کی گالی کا بھی بُرا نہیں ماننا چاہیئے۔ کبھی کبھی بچوں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کی بھوک بجھانے کے لیئے مونچھیں نیچی کرنی پڑجاتی ہیں۔"

"کھشتری ایسا نہیں ہوتا ہے۔ بھوک ایک پریکشا ہے اور ایسے وقت میں ہمت اور صبر سے کام لینا چاہیئے۔ وہ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہ ہونے کا بہانہ بنا سکتا ہے۔ میں چورن لے کر گاؤں میں جاتا ہوں اور وہاں سے کچھ نہ کچھ لے کر ہی لوٹوں گا۔ شام تک کا وقت جیسے تیسے کٹ ہی جائے گا۔ کوئی بھوک سے نہیں مرتا ہے۔"

"مگر گاؤں میں چورن لے گا کون؟ محنت کرنے والوں کا پیٹ خراب نہیں ہوتا ہے۔ انھیں وقت پر بھر پیٹ روٹی ملتی ہی نہیں۔ وہ چورن کیا لیں گے؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو، مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ مِلے گا۔ چورن چٹخارے کے لیے بھی تو کھایا جاتا ہے۔ آدمیوں سے زیادہ عورتیں کھاتی ہیں۔ جب سونا پیٹ میں تھا تو تم کتنا چورن کھاتی تھیں۔"

بیوی یہ سن کر گھونگھٹ میں مسکرائی ـــــ اُسی وقت بڑی لڑکی بولی:

"پاس ہی گنّے کا کھیت ہے، وہاں سے دو دو گنّے لے آتے ہیں اور انھیں چوس کر شام ہاتھ آجائے گی۔"

یہ سن کر سوکھا مسکرایا اور بولا ـــــ "یہاں گنّے کے چھلکے پڑے دیکھ کر ہم پر گنّے چوری کرنے کا الزام لگے گا۔ ہاں مجبوری اور بھوک کے باعث تم کھیت ہی میں جاکر دو دو گنّے چوس آؤ۔ لیکن دھیان رہے دو سے زیادہ کوئی نہیں توڑے گا۔ چوری کر کے پیٹ نہیں بھرنا چاہیئے۔"

"ٹھیک ہے، ہم وہیں جاکر کھائیں گے۔" ـــــ سب نے کہا مگر اُسی وقت پولیس کی جیپ آتی دکھائی دی۔ سوکھا نے فوراً سب کو گھڑی بھر ٹھہر جانے کے لیے اشارہ کیا۔ سب بچّے سہم گئے۔ جیپ چُنگی تک آکر واپس چلی گئی۔ بچّے فوراً چلنے کے لیے تیار ہو گئے تو میں نے سوکھا سے کہا کہ ذرا صبر کرو۔ میں گھر سے ہو کر آتا ہوں۔ اُس پر سوکھا نے بیوی بچّوں سے کہا کہ ایسا

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کام مت کرو جس سے لوگ کہنے لگیں کہ سوکھا حکیم کے بچے چوری کرتے ہیں۔ حالانکہ کوئی بھی غلط کام چھپائے سے چھپتا نہیں ہے۔ دامن میں رکھے انگار کی طرح ضرور ظاہر ہو جاتا ہے۔"

میں کچھ روٹیاں لے کر سوکھا کے ہاں پہنچا اور سوکھا سے کہا ——— "تم لوگ ہندو ہو، میں مسلمان ہوں، کیا تم میرے ہاں کی روٹیاں قبول کر سکتے ہو؟"

یہ سن کر وہ مسکراتے ہوئے بولا ——— "سیٹھ جی، قدرت کسی بھی چیز پر ہندو یا مسلمان کی مہر لگا کر پیدا نہیں کرتی ہے۔ بھوجن اور بھجن کا ذات پات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ آپ نے ہم پر اتنی مہربانی کی ہے" روٹیوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے سوکھا نے کہا۔

میں نے کہا ——— یہ کوئی مہربانی نہیں۔ ہمارے مذہب میں یہ حکم ہے کہ مسلمان کو بلاتفریقِ مذہب و ملت اپنے بھوکے پڑوسی کو کھانا کھلا کر ہی خود کھانا چاہیئے۔ آج تمھارے یہاں چولھے سے دھواں نہیں اٹھا ہے۔ اِس لیے میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

رات ہو گئی۔ مگر کسی کو خوف کے مارے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ہر طرف شام ہی سے ہاؤ ہو دہائیں دھو کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سوکھا حکیم اور امر ایک جگہ بیٹھے تھے اور آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے کہ میں بھی اُن کی خیر خیریت دریافت کرنے جا پہنچا۔

سوکھا نے امر سے کہا ——— "اگر لوگ یوں ہی آپس میں لڑتے رہے تو اس دیش کا کیا ہوگا؟"

سوکھا حکیم نے جواب دیا ——— "بربادی ———! مہابھارت کا نتیجہ سامنے ہے۔ میل جول اور شانتی سے رہنا ترقی کے لیے ضروری ہے۔ انھیں دونوں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

چیزوں کی کمی ہوتی جا رہی ہے ۔۔۔۔"

ابھی سوکھا حکیم کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ امر نے اُس کو چُپ رہنے کا اشارہ کیا اور آبادی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا ــــــ "دیکھو چند کتے آپس میں جھگڑ رہے ہیں اور شہر کی طرف سے کچھ کھینچے چلے آرہے ہیں۔"

سوکھا نے ٹارچ کی روشنی پھینکی تو پتہ چلا کہ وہ کُتّے کسی بچّے کی لاش کی کھینچا تانی کر رہے ہیں۔ فوراً دونوں اُدھر چل پڑے۔ کُتّوں کو بھگا کر لاش اُٹھالائے۔ یہ چھ سات سال کی بچّی کی لاش تھی۔ سوکھا بولا ــــــ "یہ کس کی لڑکی ہو سکتی ہے؟"

امر نے کہا ــــــ "ابھی یہ بچّی نہ ہندو ہے نہ مسلمان۔ کوئی نشان ایسا نہیں ہے جو بتایا جا سکے کہ کس کی لڑکی ہے۔ ہاں میں اِتنا تو کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک انسان کی بچّی ہے، ہندوستان کی بیٹی ہے۔ ایسے معصوموں کا خون کرنے والے لوگ ضرور پتھّر کا کلیجہ اور لوہے کا دل رکھتے ہوں گے۔"

سوکھا نے امر سے کہا ــــــ "اگر یہ زندہ ہوتی تو ہم اِس کو پال لیتے۔"

بات کاٹ کر جلدی سے امر بولا ــــــ "پال پوس کر بھی کیا کرتے۔ اِتنی سُندر لڑکی تمھاری مانی ہی نہیں جاتی اور کوئی نہ کوئی تم سے لے جاتا۔ اوّل تو پولیس ہی تمھیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتی۔ اب اِس کو کہیں پھینک دو ورنہ مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔"

"اِس کی مٹّی خراب کرنے کے لیے سڑک پر پھینک آنا ٹھیک رہے گا؟" ــــــ سوکھا نے سوال کیا اور پھر کہا ــــــ "پھاوڑا لاؤ اور اِس کو جلدی سے گنّے کے کھیت میں دفنا دو۔"

"یہی ٹھیک رہے گا!" ــــــ سوکھا کی بیوی نے کہا۔

دونوں اِس کو دفن کر آئے۔ ساری رات طرح طرح کی باتوں میں گزر گئی۔ بچّے تو تھوڑی دیر کے بعد سو گئے، لیکن بڑوں میں کوئی نہیں سویا۔ گھاتک

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ہتھیار لیے بیٹھے ہی رہے ۔ غریب کو کوئی خوف نہیں ہوتا۔ وہ سُکھ سے سولیتا ہے۔ امیر کو کئی ڈر ہوتے ہیں، وہ سو نہیں پاتا۔ لیکن ایسے ماحول میں کسی کو بھی نیند نہیں آتی ہے۔

دِن نکلے سوکھا حکیم میرے کمرے میں داخل ہُوا۔ ایک ڈبّہ اُس کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ بڑے ادب سے سلام کرتے ہوئے بولا ــــــ "میں ایک غریب خانہ بدوش پچھڑے ہوئے طبقے کا آدمی ہوں۔ یہ چھوٹی سی بھینٹ لایا ہوں۔ امّید ہے آپ قبول کرلیں گے"

اُس نے ڈبّہ میری طرف بڑھایا۔ وہ روہانسا سا تھا۔ میں نے ڈبّہ تو ہاتھ میں لے لیا مگر اُس سے کہا ــــــ "بھئی اِس کی کیا ضرورت تھی۔ تم اِتنے چورن سے کئی روز کی روزی کما سکتے تھے۔ یہاں بھی تو یہ رکھا ہی رہے گا۔"

"اِس کے رکھے رہنے سے بھی ہمیں خوشی ہوگی۔ آج ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔"

"تم یہاں سے جا رہے ہو؟"

"جی!"

"حکیم جی! ہمارے ہوتے ہوئے تم لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تم ایسے وقت میں کہیں مت جاؤ۔ تمھارے جانے سے مُجھے دُکھ ہوگا۔ لوگ کہیں گے کہ ایک مسلمان کے خوف سے دونوں ڈیرے اُکھڑ گئے۔ جانا ہی ہے تو امن کے قائم ہونے کے بعد چلے جانا۔ جو لوگ ایک دوسرے پر بلے وجہ ہتھیار اُٹھاتے ہیں نہ اُن کا کوئی دھرم ہوتا ہے نہ ایمان، نہ وہ ہندو ہوتے ہیں نہ مسلمان۔"

"سیٹھ جی! آپ بہت اچھے آدمی ہیں مگر ایسی بستی میں رہنے سے ہمارا جی اُکھڑ گیا ہے۔ جہاں عام لوگوں میں بھائی چارے کی کمی ہے۔ اِن شہروں سے تو گاؤں اچھے۔ وہاں امن ہے، سکون ہے، میل ہے، مروّت ہے۔ نہ کبھی کوئی جھگڑا ہوتا ہے نہ کبھی کرفیو لگتا ہے۔"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

سوکھا حکیم نے اِتنا کہہ کر ادب سے پھر سلام کیا اور فوراً ڈیرے میں
چلا گیا۔ اُس نے میری زُبان سے کچھ سُننا بھی گوارا نہ کیا ـــــ اُس
نے چلتے چلتے اپنی بھاشا میں مجھے انیکوں دھرم گرنتھوں کے پاٹھ پڑھا
دیئے اور میں سوچتا رہا کہ کہیں اُن لوگوں کو بچھڑا ہوا بتانے والے تو بچھڑے
ہوئے نہیں ہیں ؟؟ ○○

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

بیساکھی

جس طرح ہر جڑی بوٹی میں کوئی نہ کوئی خاصیت پائی جاتی ہے، اُسی طرح ہر آدمی میں کوئی نہ کوئی عیب ہوتا ہے۔

چودھری نرنجن سنگھ ویسے تو لاکھوں میں ایک تھے، مگر اُن کے غضب ناک غصّے کی عادت نے اُنھیں کافی حد تک گاؤں بھر میں بد دماغ مشہور کر رکھا تھا۔ مگر مجھ سے وہ ہمیشہ ہمدردی اور خوش اسلوبی سے پیش آتے تھے۔ یہاں صدی گزری ہوگی کہ ایک دِن باتوں باتوں میں کہنے لگے ــــــــ

"جاگن تو نے بڑے لڑکے کو تو نہیں پڑھایا، چھوٹے کو تو پڑھا دے۔ علم کی قیمت کو سمجھ۔ آدمی کو تعلیم حیوان سے انسان بنا دیتی ہے۔ ترقّی کے دروازے کھول دیتی ہے۔ اُسے زمین خرید کر دینے کی بجائے تعلیم دلانا بہتر رہے گا۔ کِسان کبھی دُھنوان نہیں ہو سکتا۔ شوگر فیکٹری، بلاک ڈویلپمنٹ، کھاد، قرض، بیوپاری، ٹھیکیدار، مستری، لوہار، بڑھئی، محکمہ سنچائی، تھانہ، تحصیل، کچہری، جیل، چک بندی، کین سوسائٹی، میکینک، یہ سبھی اُس کی جیب خالی کرنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ بھولا بھالا کسان اِن چالاک لوگوں کے ہاتھوں برابر لُٹتا رہتا ہے اور سونا اُگلنے والی زمین کے مالک غریب رہ جاتے ہیں۔ آخر میں اُس کے پاس نہ ڈھنگ سے تن ڈھانکنے کو لتّا کپڑا رہتا ہے، نہ پیٹ بھرنے کو اناج۔ پتہ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

نہیں کیا سیتا کا شراپ ہے کہ ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آرہا ہے"۔

اُن کے اِن نصیحت آمیز الفاظ میں ہمدردی کی جھلک صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے اپنا خیال بدل دیا اور اُس کو زمین خرید کر دینے کی بجائے پڑھانا شروع کر دیا۔ بھگوان کی کرپا سے آج وہ رجسٹرار ہے اور لکشمی اُس پر مہربان ہے۔ اُس کے پاس شہر میں اپنی کوٹھی ہے۔ گھر کے ہر فرد کا بیمہ ہے، ایف ڈی ہے، بینک بیلنس ہے، کار ہے۔ غرضیکہ زمانۂ حال کی ہر سہولت اُسے حاصل ہے۔

چودھری نرنجن سنگھ کا کہنا مان کر میں بہت سُکھی ہوں۔ میری تمام بستی میں پشت ہا پشت سے چلے آرہے خوشحال لوگ مجھ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ ایک دِن میرے اُس رجسٹرار لڑکے نے مجھے گاؤں جاکر اُس کے حصّے کی زمین فروخت کرانے کی رائے دی۔ اُس کی نظر میں زمین کی اہمیت گھٹ گئی تھی۔ وہ اُس کی دیکھ بھال بھی نہیں کر پاتا تھا۔ کھیتی اور بیٹی نگرانی چاہتی ہیں۔ اُس کے بچّے نینی تال اور دہرہ دون میں انگلش اسکولوں میں پڑھتے تھے۔ وہ تو کھیت پر جاکر یہ بھی نہیں دیکھتے کہ کیا ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں اُس نے زمین فروخت کرنے کی بات صحیح سوچی۔ میں نے بھی یہی مناسب سمجھا اور دِن نکلے گاؤں جاکر اُس کے گاہک تیار کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ گاؤں جانے کے خیال سے ہی گاؤں کے وہ لوگ جن سے میرا ربط ضبط تھا، رہ رہ کر یاد آنے لگے۔ میں عرصۂ دراز کے بعد گاؤں جا رہا تھا۔ چودھری نرنجن سنگھ سے مِلنے کی بات میرے دماغ میں سب سے پہلے آئی، کیوں کہ اُن سے میں زیادہ متاثر تھا۔ پہلے مجھے گاؤں والے اپنی چارپائی پر بھی نہیں بٹھاتے تھے اور جب سے چھوٹے لڑکے کو نوکری مِلی ہے، سبھی مان سمّان دینے لگے ہیں۔ چودھری نرنجن سنگھ تو پہلے ہی سے نیک خیالات رکھنے والے تھے۔ وہ تو گاؤں والوں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

والوں سے یہاں تک کہہ بیٹھتے تھے کہ ذات پات اور دھن دولت کی بِنا پر کسی کی قیمت نہیں آنکنی چاہیئے۔ آدمی آدمی سب برابر ہوتے ہیں۔ دُنیا میں ہر انسان ایک دوسرے کا بھائی اور دوست ہوتا ہے۔

میرا گاؤں اسٹیشن سے پانچ کلومیٹر دُور تھا۔ سڑک پختہ ہو گئی تھی مگر سواریاں نہیں چلتی تھیں۔ اِس لیے میں پیدل ہی چل پڑا۔ ابھی میرے جسم میں دم خم تھا اور پوتے پوتیوں اور بہو بیٹے سے ملنے کا چاؤ بھی تو کم ہمّت بخش نہیں ہوتا ہے۔ میرے پاس اِتنا سامان بھی تو نہیں تھا جو چلنا مشکل ہو جاتا۔ بچّوں کے لیے جو چند کھلونے اور کچھ مٹھائی میرے جھولے میں تھی۔ دو ایک کلومیٹر تو آرام سے چل لیا۔ لیکن پھر تھکن محسوس ہونے لگی۔ کہیں چھاؤں میں بیٹھنے کو جی کرنے لگا۔ کچھ پیاس بھی ستانے لگی تھی۔ خیال آیا کہ تھوڑی دُور سڑک کے کنارے چودھری نرنجن سنگھ کا خوب صورت باغ بھی تو ہے جہاں ہر چیز ہے۔ بس یہ خیال آتے ہی میرے قدموں میں جان آ گئی اور اونچے اونچے پیڑ دیکھ کر جی ہرا ہو گیا۔ حقیقت میں سُندر سہارے اور حسین آرزوئیں سفر آسان کر دیتے ہیں۔ جوں ہی میں اُس باغ کے پاس پہنچا جہاں سڑک کے کنارے گرمیوں کے دِنوں میں چودھری صاحب پیاؤ لگوایا کرتے تھے۔ اب باغ کے چاروں طرف لگے آم، جامن، نیم، شیشم کے بڑے بڑے پیڑوں کا جاں فزا سایہ میرے سر پر تھا۔ دل خوش ہو گیا۔ ہری دوب گھاس پر بیٹھ کر سکون کی سانس لی۔ طبیعت چاہتی تھی کہ وہیں پڑ کر سو جاؤں مگر پیاس نے بے تاب کر رکھا تھا۔ مجبوراً پیاؤ کی طرف بڑھا۔ میں ادھر کئی سالوں میں آیا تھا۔ پیاؤ کی جگہ تو میرے دھیان میں تھی مگر پیاؤ کا کنواں کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے سوچا بڑے بڑے پیڑوں میں چھپا ہوا ہو گا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا میں کنویں تک پہنچ گیا۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو حیرت میں رہ گیا۔ کنویں کا مَن ٹوٹا ہوا تھا۔ پنگھٹ پر گھاس

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

اُگی ہوئی تھی۔ اِس کی تمام اینٹیں گاؤں کے لوگ اُکھاڑ اُکھاڑ کر لے گئے تھے۔ کوٹھری بھی بالکل ٹوٹ کر گر گئی تھی۔ اُس کی اینٹیں جہاں تہاں جنگ میں شہید ہوئے فوجیوں کی طرح بکھری پڑی تھیں۔ اِس منظر سے ظاہر ہوتا تھا کہ پیاؤ کا کام سالوں سے بند پڑا ہے۔ کام تو اچھا تھا۔ نہ جانے کتنے راہ گیر دُعائیں دیتے جاتے ہوں گے۔ چودھری صاحب تو بڑے دھرما تما تھے۔ انھوں نے بستی میں کئی اناتھ غریب لڑکیوں کی شادی کے جملہ اخراجات اُٹھائے تھے۔ چاہے کوئی مسجد کے لیے چندہ مانگے یا چاہے مندر کے لیے، کبھی کسی کو منع نہیں کیا۔ پھر اچانک اتنی بڑی تبدیلی کیسے آگئی؟ کہیں قدرت کی ستم ظریفیوں کی نذر تو نہیں ہو گئے۔

اِس طرح سوچتے سوچتے میں نے باغ کے اندرونی حالات کا جائزہ لینے کے لیے باڑھ پار کی۔ میرے دماغ میں اچانک یہ بات آئی کہ جس مالک نے پیاؤ کی طرف سے اتنی بے پرواہی برتی ہے، ضرور پیڑ پودوں کا دھیان بھی چھوڑ دیا ہوگا۔ سالوں پہلا جو حسین چمن میرے دماغ میں بسا ہوا تھا، اب اُس کے اُلٹا ہو چکا تھا۔ تمام باغ میں گاؤں کے جانور آوارہ پھر رہے تھے۔ سب کچھ اُجڑ گیا تھا۔ لمبے چوڑے لان کے چاروں طرف لگے خوبصورت نایاب پیڑ پودے بھی نہیں رہے تھے۔ ایک بار اُس لان میں چودھری صاحب نے مجھے گھمایا تھا اور پیڑ پودوں سے متعارف کرایا تھا۔ "یہ پنڈ کھجور ہے۔ اِس میں سات سال میں پھل آتا ہے، اِس کو میں لکھنؤ نرسری سے لایا تھا"۔۔۔۔ چودھری صاحب کے سالوں پہلے کہے گئے الفاظ میرے کانوں میں پھر سے گونجے، میں نے بغور دیکھا۔ جانوروں نے اُس کو کھا کھوند کر تہس نہس کر دیا تھا۔ آگے بڑھ کر ناریل کو دیکھا۔ اُس کو اُنھوں نے بتایا تھا کہ یہ کلکتہ نرسری سے آیا تھا۔ یہ بھی پنڈ کھجور کی طرح اُجڑ گیا تھا۔ گاؤں کے بچے اِس کے پتوں تک کو کاٹ کر لے گئے اور

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

پنکھے بنا لیئے۔ چیکو کا پیڑ بھی ٹھونٹھ بنا کھڑا تھا۔ اُس کی بھی چودھری صاحب بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ اُس کا پھل بہت ہی میٹھا ہوتا ہے۔ "یہ مخصوص قسم کا ہے میرے پوتے پوتیاں جب کھائیں گے تو یاد کریں گے کہ دادا نے خوب پیڑ لگایا ہے۔" اِسی طرح وہ انار، آنولا، سیب، چکوترا، آم، ناشپاتی، سنترے کے پیڑوں کی بھی تعریف کیا کرتے تھے۔ ہر پیڑ کی بابت کہے گئے اُن کے الفاظ رہ رہ کر میرے دماغ میں گونج گئے۔ میں اُداس ہو گیا اور ایک جگہ کھڑے ہو کر تمام چمن کو دُور دُور تک چاروں طرف دیکھا۔ جانوروں نے کسی پیڑ کو سلامت نہیں چھوڑا تھا۔ جس چمن کا ایک پھول توڑنے کی بھی کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی، آج اُس کو جانور روندتے پھر رہے ہیں۔ کیا بات ہے؟ اگر وہ مر بھی گئے ہوتے تو ان کا ایک لڑکا تھا، وہ جوان ہو گا۔ وہ تو حفاظت کر سکتا تھا۔ پل بھر کو میں نے سوچا۔ پیاس زور پکڑتی جا رہی تھی۔ میں جلدی سے اُس اُجڑے ہوئے چمن سے باہر نکلا اور گھر کی راہ لی۔ گاؤں کے کنارے ایک اسکول بن گیا تھا۔ وہاں نل پر جا کر پیاس بجھائی۔ آج اتوار تھا۔ کوئی بچہ نہ تھا۔ مجھے یہاں بھی اِس ویرانی کا کارن بتانے والا کوئی ہاتھ نہیں لگا۔ اب میرے دِل میں اِس راز کو جاننے کی بہت ہی تیز خواہش پیدا ہو چکی تھی۔ میں نے گھر کی طرف نہ جا کر سب سے پہلے چودھری صاحب کے گھر جانے کا طے کیا۔ ملاقات بھی ہو جائے گی۔ برسوں سے نہیں ملے ہیں اور جملہ حالات بھی معلوم ہو جائیں گے۔

چودھری صاحب کے دروازے پر پہنچا تو میری حیرت کا ٹھکانہ نہ رہا۔ مکان کے باہری حصوں پر جہاں تہاں گھاس اور کائی اُگ آئی تھی۔ دیواروں کی دراڑوں میں پیپل اور برگد اُگ آئے تھے۔ اِس سے ظاہر ہوتا تھا کہ مکان کی پُتائی بھی سالوں سے نہیں ہوئی ہے۔ جو مکان دلہن بنا رہتا تھا، اُس کی یہ بدحالی دیکھ کر

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

مجھے گہرا دُکھ ہوا۔ "کیا کسی حادثے میں گھر کے سارے ہی لوگ مر گئے" میرے دِل میں ایک دم یہ وسوسہ کوندا۔ میں آگے ڈیوڑھی پر آواز دینے کو بڑھا ہی تھا کہ بیٹھک میں تنہا چودھری صاحب پڑے ہوئے دکھائی دیے۔ میں نے اُن کو پہلی ہی بار بیٹھک میں تنہا دیکھا تھا ورنہ ہر وقت چوکڑی جمی رہتی تھی۔ میں نے 'رام رام' کی تو چودھری صاحب نے بے دِلی سے مُسکراتے ہوئے 'رام رام' کا جواب دیا اور بولے ـــــ "آؤ بھئی دھرم سنگھ! تم تو گاؤں سے ایسے گئے ہو جیسے یہاں تمھارا کچھ ہے ہی نہیں۔ ارے کبھی کبھار تو بڑے بیٹے کی خیر خبر بھی لے لیا کرو۔ اپنے گھر کو تو پشو پکشی بھی نہیں بھولتے۔"

میں نے جواب دیا ـــــ "چودھری صاحب آپ ٹھیک کہتے ہیں، مگر جہاں آدمی کا جی لگتا ہے وہ وہیں رہنا پسند کرتا ہے۔ چھوٹے لڑکے اور اُس کے بچے مجھے دیوتا کی طرح پوجتے ہیں۔ بڑی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ اِس لیے وہاں آٹھ دس سال سے جم رہا ہوں۔ بڑا لڑکا اور اُس کی بہو تو یہ چاہتے ہیں کہ میں جلدی مر جاؤں تاکہ میری جائیداد اُن کو مِل جائے۔ حالاں کہ چھوٹا لڑکا یہاں کی کمائی بالکل نہیں لیتا ہے مگر پھر بھی لالچ کا بھوت بڑے کے کندھوں پر سوار رہتا ہے۔ آج بھی خود ہی یہاں آیا ہوں، اُس نے بُلایا تھوڑے ہی ہے۔"

"بہو بیٹوں کی باتوں پر نہیں جاتے ہیں۔ دھرم سنگھ! یہ بڑے بھاگ سے ملتے ہیں۔ وہ کچھ بھی کہیں مگر تم پھر بھی بزرگ ہو اور اپنی بزرگی قائم رکھنے کے لیے فراخ دِلی سے کام لو۔ تُمھیں کوئی سہارا دے یا نہ دے تم اپنے سہارے آپ بنو! دیکھو اولاد کے بچپن کا بوجھ ماں پر ہوتا ہے، جوانی کا بوجھ باپ پر ہوتا ہے اور بڑھاپے کا بوجھ اپنے آپ پر ہوتا ہے۔" کہتے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

سے کہتے چودھری صاحب چپ ہو گئے اور کچھ سوچنے لگے۔ میں اُن کا اُداس چہرہ دیکھ رہا تھا۔ مایوسی ہی مایوسی ٹپک رہی تھی۔ اِتنے میں قریبی بند کمرے سے کسی عورت کے چیخنے کی آواز سُنائی دی۔ میں چونک کر بولا۔
"یہ کس کی آواز ہے؟"
"یہ ایک بدنصیب عورت کی آواز ہے۔" سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے لمحہ بھر ٹھہر کر چودھری صاحب کہنے لگے
"جب سے میرا بیٹا مرا ہے، میری بیوی پاگل ہو گئی ہے۔ کافی علاج کرایا ہے مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اب اُسے ایک کمرے میں بند کر دیتا ہوں، ورنہ سڑکوں پر بھاگتی پھرے گی اور بیکار کسی سے ٹکرا کر مر جائے گی۔"
یہ سُن کر میں سمجھ گیا۔ چمن کی ویرانی اور مکان کی بدحالی کیوں تھی۔ چودھری صاحب خود ہی فرمانے لگے ——
"باغ لگانے کے ایک ہی سال بعد وہ گزر گیا۔ وہ اسکول جا رہا تھا۔ راستے میں کسی آوارہ کتے کے اچانک بھونکنے سے گھبرا کر بھاگا اور اُسی وقت پیچھے سے تیز رفتار ایک ٹرک اُس کو کچلتا ہوا نکل گیا۔ میں کتنا بدنصیب نکلا کہ کبھی دھرم کرم کا پھل بھی کام نہ آیا۔ دان پُن، دیا دھرم کچھ بھی کارگر ثابت نہیں ہوئے۔ اب میں کسی فقیر کو کانی کوڑی نہیں دیتا۔ کسی برہمن کو بھی بھوجن نہیں کراتا۔ کسی بھی دھارمک کام میں شریک نہیں ہوتا۔ مجھے اِن دھرم کرم کی باتوں سے سخت چڑ ہو گئی ہے بھگوان ہے یا نہیں، لیکن اُس کے یہاں انصاف نہیں ہے۔"
اِس طرح کہہ کر کچھ دیر کو وہ چپ ہو گئے اور میں دس سال پہلے کہی گئی باتیں یاد کرنے لگا، جب وہ مجھ سے کہہ رہے تھے ——
"دھرم سنگھ! میں نے لڑکے کے نام ایک لاکھ ایف ڈی کرا دی ہے، چھ سال بعد وہ دو لاکھ ہو جائے گا۔ ایک لاکھ کا میرا اپنا بیمہ ہے، ساڑھے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

چھ سال بعد وہ بھی پیچور ہو جائے گا۔ اِس طرح لڑکے کو اِتنا روپیہ ایک ساتھ ملے گا کہ وہ کچھ نہ کرے تب بھی اُس کے سُود سے ہی مزے کرتا رہے گا۔ اُس کے بیوی بچے بھی یاد کریں گے کہ اِس بوڑھے نے اُن کے لیے کچھ کیا ہے"۔

مجھے یاد آیا کہ اِس پر میں نے اُن سے کہا تھا کہ چودھری صاحب اِس طرح آپ اپنی اولاد کو نکما بنا دیں گے۔ اِس پر انھوں نے فخر کے ساتھ کہا تھا "ارے یار! تم ایسی ہی باتیں کرتے ہو۔ بھئی اولاد کے لیے ہر باپ کو کچھ کرنا چاہیے۔ پشو پکشی تک اپنے بچّوں کی سیوا کرتے ہیں۔ جب یہ بڑا ہو گا تو جو چاہے گا، کرے گا۔ میں اس کے ہاتھ تھوڑے ہی روک لوں گا۔"

اُن کی بات کسی حد تک ٹھیک تھی۔ میں نے جب بھی اِس پر اتفاق کیا تھا اور آج بھی درست مانتا ہوں۔ اب اُن کے پاس کچھ بھی کہنے کو نہیں تھا، اور وہ سُبک سُبک کر رو رہے تھے۔ ذرا ضبط سے کام لے کر وہ پھر بھرّائی ہوئی آواز میں بولے ——

"دھرم سنگھ میں بالکل ٹوٹ گیا ہوں۔ برباد ہو گیا ہوں۔ زندہ در گور ہوں۔ کچھ کردں تو کس کے لیے کردں۔ کس کے لیے کماؤں، کس کے لیے سنبھالوں، سُدھاروں۔ سب محنت مشقّت بے کار ہے"۔

وہ غمزدگی میں یہ سب کچھ کہہ رہے تھے اور میں اُن کا مُنھ تک رہا تھا۔ واقعی اولاد کا غم ایسا ہی ہوتا ہے۔ کسی حد تک وہ ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔ صاحبِ اولاد کے مقابلے میں بے اولاد لوگ زیادہ "نِکھٹّے" ثابت ہوتے ہیں۔ اولاد ہمیں سُکھ دے یا نہ دے لیکن یہ ایسی بیساکھی ضرور ہے جس کی ہر زندگی کو بے حد ضرورت ہے۔ ○○

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

اٹھانوے

صبح سات بجے ہم سات آدمی مندر میں نئی مورتی استھاپنا اُتسو کے لیئے
ایک وفد کی صورت میں چندہ مانگنے سیٹھ جمنا داس جوہری کی کوٹھی پر جا پہنچے۔
حالاں کہ ہمیں معلوم تھا کہ بڑے آدمی دیر سے سوتے ہیں اور دیر تک سوتے
ہیں۔ پھر بھی ہم احتیاطاً جلدی اِس لیے پہنچ گئے کہ وہ کہیں باہر نہ چلے جائیں،
کیوں کہ بڑے آدمیوں کو کام بھی بہت ہوتے ہیں۔ پتہ چلا کہ سیٹھ جی اندر ہی
براجمان ہیں۔ لہٰذا ہم سب گھاس کے لان میں رکھے بے شمار ماربل کے گملوں
میں مختلف قسم کے پودوں کی بہار دیکھتے رہے۔ طرح طرح کے پھول، پودے
اور دیواروں سے لپٹی ہوئی بیلیں من موہ رہی تھیں۔ امیر لوگ اپنا دل ہی
بہلانے کے لیے جتنا روپیہ صرف کر دیتے ہیں، اُتنے روپئے سے کسی
معمولی آدمی کے خاندان کی قسمت بدل سکتی ہے۔ میں ایسا سوچ ہی رہا تھا کہ سیٹھ
جی کے کمرے سے سولہ سنگار کیئے ہوئے پیلی ساری میں ملبوس ایک شعلہ بدن
حسینہ باہر آئی۔ سب کی نظریں اُس کی طرف کھنچ گئیں۔ اتفاق سے میری کرسی
کا رُخ پہلے ہی کمرے کے دروازے کی طرف تھا۔ اس لیے یہ جلوہ میرے حصّے
میں کچھ زیادہ آیا۔ اُس آفتِ جاں کے چہرے پر ٹھوڑی کے نیچے چھوٹا سا کالا
تل اُس کے حُسن کو دوبالا کر رہا تھا۔ کمرے سے کوٹھی کے مین گیٹ تک جانے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

اُس سراپا غزل کے خدوخال میرے ذہن میں ایسے اُجاگر ہو گئے کہ میں اُسے ہزاروں میں پہچان لوں۔

حُسن کے سامنے فرشتے بھی ڈگمگا جاتے ہیں اور حُسن میں کیسا جادو ہوتا ہے، یہ حقیقت مجھ پر آج ہی منکشف ہوئی۔ میرے ایک ساتھی نے کہا۔ "بھگوان کِسی کِسی کو تو بہت سنوار کر بناتا ہے۔"

یہ سُن کر دوسرا ساتھی بولا ــــ "کیا پسند آگئی؟"

پہلے والے کہنے لگے ــــ "پسند ناپسند دوسری بات ہے، لیکن کیا حَسین کو حَسین کہنا گناہ ہے؟"

"جی ہاں!" ــــ دوسرے نے زور دے کر کہا ــــ "اگر آپ کو شک ہے تو کسی حَسین عورت کے سامنے اُس کے حُسن کی تعریف کر کے دیکھ لیجیے۔ دیکھئے کیا جواب مِلتا ہے۔"

یہ سُنتے ہی سب نے ایک آواز ہو کر اُس کی تائید کی۔ میں نے بھی اِس حقیقت سے اِنکار نہ کیا۔ تعریف میں جادو ہوتا ہے۔ تعریف کرنے والے ــــ راجاؤں، نوابوں کے ناک کے بال بن جاتے ہیں اور تعریف سُن کر بڑے بڑے مہاتما بھی خوش ہوتے ہیں، مگر عورتیں اِس معاملے میں برعکس نظر آتی ہیں۔ وہ کِسی بھی غیر مرد سے اپنی تعریف سُننا گوارہ نہیں کرتیں۔ (حالاں کہ دِل ہی دِل میں اپنی تعریف سُن کر تعریف کرنے والے کی ممنونِ احسان ہوتی ہیں مگر دِکھاوے کے لیئے ایسے ظاہر کرتی ہیں کہ وہ اِسے نسوانی وقار کے خلاف سمجھتی ہیں۔)

کیا ہر عورت کِسی غیر مرد سے اپنی تعریف سُن کر دِلی یا محض دِکھاوے کے طور پر بُرا مناتی ہے یا کچھ ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو کُھلے بندوں اِسے پسند کرتی ہیں۔ اِن دونوں اقسام کی عورتوں کے نسوانی جذبات میں کیا فرق ہوتا ہے میرے دماغ میں یکے بعد دیگرے اِسی قسم کے سوالات جنم لیتے رہے۔

میں نے ایم۔ اے کرتے وقت سوچا تھا کہ اِسی ٹاپک پر پی۔ ایچ۔ ڈی،

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کروں گا، لیکن بدقسمتی سے میں ایسا نہ کر سکا مگر میرے دِل میں یہ کسک ضرور رہی اور آج میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ میں اِس مسئلے کو لے کر ایک کتاب ترتیب دوں۔ میں خیالات کے تانے بانے میں اُلجھا ہوا تھا کہ سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ سیٹھ جی باہر لان میں آ گئے تھے۔ میں بھی فوراً استقبال کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"آپ لوگوں نے کیسے زحمت فرمائی ہے۔"

مسکراتے ہوئے سیٹھ جی نے پوچھا۔ ساتھیوں نے مدّعا ظاہر کیا تو سیٹھ جی بولے

"آپ لوگ اِس گیان وِگیان کے یُگ میں بھی اندھ وِشواسی بنے ہوئے ہیں۔ پُرانی لکیر کے فقیر بننے کے زمانے تو جا چکے۔ پتھّر کی بے جان مورتی کے لیے کچھ کرنے سے تو کہیں اچھّا ہے کہ چندہ کر کے کسی فٹ پاتھ پر پڑے بے سہارا کنبے کے لیئے پکّا گھر بنا کر دے دیا جائے۔"

میرے دِل میں آیا کہ اُن سے پوچھوں کہ سیٹھ جی کبھی آپ نے کسی ایسے کنبے کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے، مگر معاً مجھے خیال آیا کہ ہم بھیک یا چندہ مانگنے والوں کو عاجزی سے کام لینا چاہیے۔ انکساری اللہ کو بھی پیاری ہوتی ہے اِس لیے میں خاموش رہا۔ مگر میرے ایک ساتھی نے کسی قدر تلخی سے کہا

"سیٹھ جی! دھرم کے کام میں اُپدیش دینا یا بحث کرنا ٹھیک نہیں ہوتا۔ کچھ مدد کرنا ہو تو عنایت کر دیجیے۔ نہیں تو جانے دیجیے۔"

یہ سُنتے ہی وہ نرم ہو گئے اور اکیاون روپئے دے کر اندر چلے گئے۔ اِس کے بعد ہم سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے آئے اور نجی کاموں میں مصروف ہو گئے۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد، میں اپنی دُھن میں مصروف ہو گیا۔ کیوں کہ عورت کی اصل سیرت پر مجھے کام کرنا ضرور تھا۔ اِس لیے میں نے سب سے پہلے بازارِ حُسن

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کی ایک طوائف سے اِس زمرے میں اُس کے خیالات جاننے کی بسم اللہ کی۔
کسی غیر عورت سے خصوصاً طوائف سے ہم کلام ہونے کا یہ میرا پہلا موقع تھا۔ جس طرح بابر نے پانی پت کے میدان میں اُترنے سے پیشتر بڑی ہمت سے کام لیا ہوگا، اُسی طرح میں نے بھی مضبوط ارادے کے ساتھ مگر لرزتے ہونٹوں اور کانپتے جسم پر بظاہر کنٹرول کرتے ہوئے ایک طوائف سے اُس کا حَسب نسب پوچھا مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اُس نے اپنا تعارف صحیح نہیں دیا، جس پر میں نے اندازِ گفتگو بدلتے ہوئے شاعرانہ انداز میں اُس کے حُسن و شباب کی مدح سرائی شروع کی، جسے وہ سنتی رہی اور مسکراتی رہی، جب میں خاموش ہوا تو اُس نے نہایت مودبانہ انداز میں میرا شکریہ ادا کیا اور گاہے گاہے آتے رہنے کی فرمائش کی۔ اور میں نے پھر آنے کا وعدہ کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔
بقولِ منٹو کسی مہم میں اگر پہلا ہی قدم کامیاب ہو جاتا ہے تو حوصلے کو پختگی اور جذبات کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ لہذا میں نے آج کی اپنی کامیابی کو من وعن اپنی ڈائری میں لکھ لیا۔
دوسرے دِن میں نے کالج سے آتی ہوئی ایک تنہا لڑکی کو روک کر خاصے شریفانہ انداز میں اور مناسب الفاظ میں اُس کی خوب صورتی اور متناسب چال ڈھال کی تعریف کی۔ اُس نے کسی قسم کی خوشی کا اظہار نہیں کیا بلکہ حیرانی سے مجھے تکتے ہوئے بغیر کچھ بولے چہرے پر کسی قدر نفرت کا اظہار لیے ہوئے اور مجھے شریف نہ سمجھتے ہوئے نسوانی انداز میں بُرا بھلا کہنے لگی۔ مجھے اپنی آبرو خطرے میں نظر آنے لگی تو میں نے "بہن جی معاف کرنا" کہتے ہوئے سلسلۂ کلام جاری رکھا اور کہا کہ میں ایک ریسرچ اسکالر ہوں۔ ایک تھیسس لکھ رہا ہوں جس میں اکثر عورتوں سے کیے گئے ایک ہی سوال کے مختلف جواب درج کیے جائیں گے۔ اِس طرح میں نے اِس کالج گرل سے گلو خلاصی کرائی۔
میرے تجربات کی تحقیقی کتاب میں یہ دوسرا واقعہ درج ہوا۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

اِس کے بعد میں نے فٹ پاتھ پر بھیک مانگنے والی سے لے کر، ساگ سبزی، گوشت، مچھلی، کھلونے، تیل، گھاس، چوڑیاں، پان، پھل بیچنے والی اور زیرِ تعمیر کوٹھیوں پر مزدوروں کے ساتھ کام کرنے والی عورتوں، گوبر تھاپنے والی چماری، کھیت پر کام کرنے والی کسان عورت، دھان کوٹنے والی پتھر توڑنے والی محنت کش، کپڑے بُننے والی جولاہی، برتن صاف کرنے والی کہاری، کھانا بنانے والی مصرانی، اناج پیسنے والی پسنہاری، بچّہ پالنے والی دایا، مہترانی، دھوبن، سیلس گرل، نرس، ہیلتھ وزیٹر، ڈاکٹرنی، اُستانی تک پوری اٹھانوے عورتوں سے مل کر یہی سوال کیا اور طرح طرح کی کھری کھوٹی سُننے کے بعد یہی کچھ میرے پلے پڑا کہ ہر عورت نے مجھے پھٹکار سُنائی۔ کہیں کہیں تو پٹنے کی نوبت بھی آگئی۔

اب تک اٹھانوے انٹرویوز میری تحقیقی کتاب میں درج ہو چکے تھے۔ کرکٹ کے کھلاڑیوں کی طرح اب میری سینچری میں صرف دو کی کمی رہ گئی تھی۔ میں نے اگلے دِن بازار میں کاسمیٹکس کی دکان پر ایک گداز جسم، تیس سالہ نہایت ہی حسین لیڈی سے بات شروع کر دی۔ اب میرے بات کرنے کا ڈھنگ کافی نکھرا اور نپا تُلا ہو چلا تھا۔ میری جھینپ جھجھک بھی جاتی رہی تھی۔ اِس معاملے میں میں نے شروع سے اس فارمولے پر عمل کیا کہ جب بھی کسی عورت سے مخاطب ہوا تو اُسے اکیلی پا کر ہی یہ جرأت کی۔

میں نے اِس سے سلسلۂ کلام دھڑکتے دِل اور کسی حد تک ہکلاہٹ کے ساتھ شروع کیا۔ کیوں کہ یہ "سینچری لیڈی" کافی حسین تھی۔ کیوں کہ یہ اتنی خوبصورت تھی کہ میں اِس کے حُسن و جمال کی تاب نہ لا سکا اور دورانِ گفتگو اِس کے چہرے پر بھی سرسری نظر ڈال لیا کرتا تھا۔ میں نے اُس کے حُسن و شباب کی خوب تعریف کی۔ اُس کے چہرے پر دوسری عورتوں کی طرح نہ تو کوئی شکن آئی اور نہ ہی اُس نے مجھے پھٹکارا۔ جیسی کہ مجھے امید تھی۔ جب میں نے سلسلۂ کلام بند کیا تو اُس نے بڑے مہذّبانہ انداز میں مسکراتے ہوئے میرا شکریہ ادا کیا۔ "تھینک یو"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کہنے کا طریقہ بہت ہی ماڈرن اور دلکش تھا۔ میری جان میں جان آ گئی۔ مجھے دورِ حاضر کی تہذیب و تمیز اور خوش اخلاقی پسند آئی۔ اس ماڈرن لیڈی سے پہلے والے اٹھانوے کیسوں کی تلخ تجربہ کاری اور ضرب کاری نیز دِل خراش پھٹکاروں اور دِل شکن جھڑکیوں سبھی کو بُھلا دیا۔ میں پھر تروتازہ ہو گیا۔ میری تکان اُتر گئی۔ آج میں نے یہ سمجھ لیا کہ ہمارے سماج میں صرف دو فیصدی ہی لکھنوی تہذیب اور خوش اخلاقی باقی رہ گئی ہے۔ اِس عورت پر میری سو عورتوں والی ریسرچ تو پوری ہو گئی مگر یہ بات ادھوری رہ گئی تھی کہ حُسن کی تعریف پر ناخوش ہونے والی اٹھانوے فی صد مستورات اور خوش ہونے والی دو فی صد لیڈیز کی نیچر میں کیا فرق تھا۔ طوائف کی نیچر سے تو سبھی واقف ہیں لیکن آخری لیڈی تو طوائف نہیں ہو سکتی۔ ہاں ماڈرن عورت ہو سکتی ہے یا نئی تعلیم یافتہ لیڈی۔ یہ آخری عورت میری ریسرچ کے لیے کئی ضمنی سوالات کی موجد بن گئی اور میں دوسرے دِن شام کو اُس کے دیئے ہوئے پتے پر اُس کے مکان پر حاضر ہوا۔

دروازہ اندر سے بند تھا۔ شریفانہ انداز میں ہلکی سی دستک دی مگر دروازہ نہیں کُھلا۔ کچھ دیر بعد پھر دستک دی مگر دروازہ حسبِ سابق بند رہا۔ لہٰذا دروازہ کُھلنے کے انتظار میں خاموشی کے ساتھ برآمدے میں کُرسی پر بیٹھ گیا۔

ماحول بالکل پُرسکون تھا۔ کچھ دیر بعد کمرے میں "چٹ" سے سوئچ آن ہونے کی آواز آئی اور کمرے میں ہوئی روشنی سے کرنیں دروازے کے نیچے سے دکھائی دینے لگیں۔

میں منتظر بیٹھا تھا۔ کچھ لمحے بعد دروازہ کُھلا اور ایک آدمی باہر آیا۔ اُس نے بڑے بھونڈے انداز سے مجھ سے پوچھا ــــــ "کیا آپ بہن جی سے ملنے آئے ہیں؟" ــــــ اُس کا سینہ سانس کے مریض کی طرح بار بار پھول رہا تھا۔

"بہن جی!" میں نے اُس کا جائزہ لیتے ہوئے دِل ہی دِل میں اُس کے منہ سے نکلے الفاظ کو نفرت سے دوہرایا اور کہا اِس کمینے ناپاک نے تو اتنے پاک صاف جذبات سے بھرپور رشتے "بہن" کے لفظی ہی نہیں لغوی معنی بھی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

بدل کر رکھ دیئے۔ ایسے لوگ تو دھندہ کرنے والی کسی سے بھی گئے گزرے ہو گئے۔ وہ جو کچھ کرتی ہے ایک اُصول کے ساتھ کرتی ہے لیکن اِس کے ظاہر و باطن اور قول و فعل میں تو زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں سوچ رہا تھا اور وہ میرے جواب کے لیے میرا مُنھ تک رہا تھا۔ میں نے فوراً کہا — ”جی ہاں! مجھے اُن سے مِلنا ہے۔“

”کیا کسی لڑکی کا ٹیوشن طے کرنا ہے؟“

”جی ہاں!“ — میں نے فوراً کہا۔ کیوں کہ میں اب یہ سمجھ چکا تھا کہ یہ عورت کسی اسکول میں ماسٹرنی ضرور ہے۔ ”آپ بھی اِسی کام سے آئے تھے کیا؟“ — میں نے ذرا چُبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

”جی نہیں! میرا اور کام تھا“ — اُس نے جاتے جاتے کہا۔

اب میرے دماغ میں اِس شک نے جنم لیا کہ یہ عورت گھر گھر جا کر ٹیوشن پڑھانے کے بہانے سے یہ دھندا کرتی ہے۔ اندر سے برابر چوڑیوں کے کھنکنے کی آواز آ رہی تھی جِس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بن سنور رہی تھی۔ اِدھر مجھے اُس آدمی پر حیرت ہو رہی تھی۔ کتنا بدچلن اور بداخلاق شخص تھا وہ — بہن جی نہ کہہ کر ماسٹرنی جی بھی تو کہہ سکتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں ناپاک اور بدچلن لوگ محض دوسروں کی نظر میں خود کو پاک صاف ثابت کرنے کے لیے اکثر اِس لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں وہ باہر آئی۔ میں نے بہ غور اُسے دیکھا۔ اُس کی ٹھوڑی پر تل تھا۔ میں سمجھ گیا یہ وہی عورت ہے جو سیٹھ جی کی کوٹھی سے نکلتی دیکھی تھی۔ میں نے اُسے ہاتھ جوڑ کر نمستے کہا۔ کہیں دھن کو سلام ہوتا ہے کہیں فن کو۔ یہاں ان دونوں میں سے کچھ نہیں تھا۔

”نمستے، بھائی صاحب!“ — اُس نے مہندی رچے ہاتھوں کو بڑے دِلرُبا انداز میں جوڑ کر سُرخ ہونٹوں پر مُسکان پھیلاتے ہوئے میری نمستے کا جواب دیا اور ڈاکٹروں جیسی خوش مزاجی سے پوچھا — ”آپ کو یہاں کھڑے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کتنی دیر ہو گئی ہے ؟" — میں اُس کے اِس سوال کا مدّعا سمجھ گیا تھا۔ اِس لیے میں نے کہا — "ابھی ابھی آیا ہوں۔"
"کیا آپ کو ہمارے اسکول کا چپراسی یہاں سے جاتے ہوئے نہیں ملا؟"
— اُس نے مطمئن ہونے کے خیال سے یہ دوسرا سوال کیا۔
"میں نے کسی کو نہیں دیکھا" — جس سے اُس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا —
"کوئی بات نہیں! آیئے اندر بیٹھتے ہیں!" — اُس نے نہایت خوش اخلاقی سے مجھے اندر والے کمرے میں لے جاکر صوفے پر بٹھایا۔ وہ مجھ سے بڑے اچھے ڈھنگ سے پیش آ رہی تھی مگر مجھے اُس سے اندر ہی اندر نفرت ہوتی جا رہی تھی۔ "کیا ٹیوشن کے سلسلے میں آنا ہوا ہے؟" — یہ اُس کا اگلا سوال تھا۔
"جی ہاں! ایک لڑکی ہائی اسکول میں آئی ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ اُس کے لیے بھی عنایت کر دیں" — میں نے یوں ہی بہانہ تراشا۔
"یہ بات تو آپ کل دوکان پر بھی کہہ سکتے تھے۔ خیر کوئی بات نہیں ہے، میں وقت نکال لوں گی۔ وہ یہاں آئے گی، یا مجھے گھر جاکر پڑھانا ہوگا؟" مسکراتے ہوئے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُس نے پوچھا۔
"گھر جاکر!" — میں نے مختصر سا جواب دیا تو وہ بولی —
"گھر پر پڑھانے کا مطالبہ زیادہ ہوگا۔"
میں نے کہا — "جو بھی ہوگا بخوشی دوں گا۔"
یہ سُن کر اُس نے بڑی خود اعتمادی کے ساتھ کہا — "شاید لڑکی آپ کی نہیں ہے۔"
میں اس سوال پر چونکا۔ اُس کو یہ کیسے پتہ چل گیا کہ لڑکی میری نہیں ہے۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"یہ آپ کو کیسے پتہ چلا؟"

"آپ کی عمر کے مطابق آپ کا کوئی بھی بچّہ ہائی اسکول میں نہیں ہونا چاہیے ہاں کسی عزیز کے بچّے کے سلسلے میں آپ بات کر رہے ہیں۔"

اُس نے مضبوطی کے ساتھ کہا۔ میں اُس کی ذہانت کا لوہا مان گیا۔ وہ حسین اور فن کار ہی نہیں، ہوشمند بھی تھی۔ میں نے اُس کے بعد اُس سے اُس کے بارے میں پوری جان کاری معلوم کی تو کہنے لگی ——

"میرے شوہر ایک اچھے انجینئر ہیں۔ اُنھوں نے بہت سی لڑکیاں دیکھیں لیکن مجھ ہی کو پسند کیا کیوں کہ میں سُندر تو تھی ہی بی۔ اے۔ بی ایڈ بھی تھی۔ یہی وہ چاہتے تھے۔"

میں نے کہا —— "وہ ارننگ ہینڈ لڑکی چاہتے ہوں گے، نئی تہذیب کے شیدائی جو ٹھہرے۔"

"اِس میں بُرا بھی کیا ہے۔ اِس زمانے میں دونوں کو کمانا چاہیے۔ اب میں بھی کماتی ہوں اور وہ بھی کماتے ہیں۔ تنخواہ کے روپئے اور ٹیوشن ملا کر خاصی آمدنی ہو جاتی ہے۔ چھُٹّی کے دِن اُن کے پاس چلی جاتی ہوں۔" —— بے تکلّفی سے اُس نے کہا۔

"اُن کے کھانے پینے کا انتظام کیسے ہوتا ہے؟" —— میں نے پُوچھا تو اِس طرح بولی، جیسے کوئی بات ہی نہیں ہے —— "ایک بیوہ عورت ان کے پاس رہتی ہے، وہ کھانا بناتی ہے اور میری عدم موجودگی میں گھر کی دیکھ بھال کرتی ہے۔"

"آپ اِس زندگی سے مطمئن اور خوش ہیں؟" —— میں نے اُس کے اندر کی عورت کو کُریدا۔

"ایسی زندگی تو بڑے قسمت والے کو نصیب ہوتی ہے۔ اِس طرح کی مست اور سُکھوں سے بھرپور زندگی سے کون مطمئن نہیں ہوگا؟"

اُس نے بے جھجک ہو کر جواب دیا۔ میری ڈائری میں یہ کیں سوداں تھا

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

میری مجوزہ کتاب اِس کے بعد پوری ہو گئی۔ میں خوشی خوشی اُس کے پاس سے اُٹھا اور بولا ـــــ "اٹھانوے!"

وہ "اٹھانوے" لفظ پر زور دے کر دہراتی رہ گئی۔ شاید وہ سمجھ رہی ہو کہ یہ گھر جا کر پڑھانے کا مطالبہ بتا رہا ہے۔ وہ مسکراتی رہ گئی۔ ایک دم اُس کی اُن تمام اُمیدوں پر پانی پھر گیا جو وہ مجھ سے وابستہ کیے بیٹھی تھی۔

OO

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

پانچ کا نوٹ

"کون بدتمیز ہے جو برابر دروازہ کھٹکھٹائے جا رہا ہے۔ کچھ دیر تو دروازہ کھلنے کا انتظار کرنا ہی چاہیئے۔ ہو سکتا ہے اہلِ خانہ کسی کام میں مشغول ہو۔ گرہستی کے انیکوں کام ہوتے ہیں" ___ بڑبڑاتا ہوا رگھویر بیمار روپا کی چارپائی سے اُٹھا اور دروازہ کھولا تو آنکھیں چار ہوتے ہی اُترے دریا کی طرح سنجیدگی سے کہا
___ "ارے یار تم تھے، رام رام ___ کیا للّو ڈیوٹی کا ٹائم ہو گیا؟"
"اور کیا نہیں؟" ___ للّو نے ہاتھ آگے بڑھا کر گھڑی دِکھاتے ہوئے کہا ___ "پونے سات ہو رہے ہیں۔ ہمیں تو پندرہ بیس منٹ پہلے ہی کھان میں پہنچ جانا چاہیئے تھا۔ ہم تم تو مزدور ہیں، منتری یا نیتا نہیں جو مقررہ پروگرام سے بھی دو تین گھنٹے لیٹ پہنچیں۔"
یہ سُنتے ہی رگھویر جلدی سے اندر گیا اور للّو باہر ہی کھڑا کھڑا بیڑی کے لمبے لمبے کش مارتا رہا۔
"کیا بات ہے؟" ___ جانتے ہوئے بھی بیوی نے سوالاً پوچھا۔ رگھویر نے اشارے سے ڈیوٹی پر جانے کی بات ظاہر کی۔ درحقیقت دونوں ہی اِس بات کو روپا سے چھپائے رکھنا چاہتے تھے اور غیر حاضری بھی منظور نہیں تھی کیوں کہ پینتیس روپے کی دہاڑی ماری جاتی۔ رگھویر نے بات بنائی۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"بیٹی ! میں تیرے لیے دوُدھ لینے جا رہا ہوں۔ بہت ہی جلد آؤں گا، گھبرانا مت !" ——— رُوپا کے بخار سے تپتے ہوئے چہرے پر پیار کر کے اور سر سہلا کے من من بھر کے قدموں سے رگھوبر دروازے کی طرف بڑھا۔ جاتے ہوئے رگھوبر سے روپا نے کہا ———

"پتا جی تم جھوٹ بول رہے ہو، تم نہیں آؤ گے۔ ہر روز کی طرح تم کوئلے کی کھان میں کام کرو گے اور دِن نکلے ہی آؤ گے۔"

چوکھٹ پکڑ کر دروازے میں کھڑے کھڑے پیچھے مُڑ کر رگھوبر نے اپنے جھوٹ پر مزید قلعی چڑھاتے ہوئے کہا ———

"نہیں نہیں ! میں نے آج چھٹی لے رکھی ہے۔ ڈیوٹی پر نہیں جاؤں گا بلکہ اپنی بٹیا روپا کے پاس ہی رہوں گا۔"

یہ سُن کر روپا نے کہا ——— "تب تو پتا جی آج کے روپے نہیں ملیں گے۔"

"آج کے روپئے کیوں نہیں ملیں گے بیٹی ؟" ——— رگھوبر نے معصوم بچّی کو سمجھاتے ہوئے کہا مگر اس کو باپ کی بات صحیح نہیں لگی اور اُس نے سوال کیا ——— "ایک دن تو تم ڈیوٹی پر جانے سے ماں کے روکنے پر کہہ رہے تھے کہ ناغے کا روپیہ نہیں ملتا ہے، آج کے ناغے کے روپئے کیسے مِل جائیں گے ؟"

خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ جواب کا انتظار کرنے لگی اور بخار کی شدّت کے باعث پلنگ کی پٹیوں پر ہاتھ پیر پٹکے۔ باپ نے کہا ——— "نہیں بیٹی ، ایسا ہے کہ ...... "

ابھی رگھوبر کوئی مناسب بات، جو اُس کے دِل و دماغ میں بیٹھ سکے اور وہ مطمئن ہو جائے، کہہ بھی نہیں پایا تھا کہ روپا نے کہا ——— "ماں ! بہت ہی بے چینی ہو رہی ہے، ٹانگیں دبا دو۔"

ماں نے ٹانگیں دبانی شروع کر دیں اور آنکھ کے اشارے سے رگھوبر کو باہر چلے جانے کو کہا اور وہ باہر چلا گیا۔ اُس کی بھولی بھالی باتیں اُس کے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

دِل و دماغ میں برابر گونجتی رہیں۔ ماں برابر ٹانگیں دبا رہی تھی اور بُخار کی شدّت سے تمتماتا ہوا چہرہ اور سُرخ آنکھیں ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی اور دِل ہی دِل میں سوچ رہی تھی کہ پیٹ پالنے کا غم اور غریبی کا تقاضا بھی کیسی عجیب چیز ہے کہ باپ اپنے بیمار بچّے کے پاس بھی نہیں بیٹھ سکتا۔ ماں طرح طرح کے خیالات کے تلنے بانے میں اُلجھی تھی کہ روپا نے مُنہ کھولا ——

"اماں! ایک دِن تم نے میرے دُودھ مانگنے پر کہا تھا کہ دُودھ تو بیمار پیتے ہیں۔ اُس روز تو میں مان گئی تھی۔ مگر آج تو میں بیمار ہوں، بڑی بھوک لگی ہے۔ دُودھ پلا دو۔ بُخار کی وجہ سے تم نے میری روٹی بند کر رکھی ہے، دُودھ بھی نہیں دو گی تو میں بھوک سے مر جاؤں گی" —— بھوکے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رُوپا نے بے بسی سے کہا۔

"اچھا میری لاڈلی! میں ابھی دُودھ لاتی ہوں۔"

یہ بات سُن کر روپا کا چہرہ خوشی سے کِھل اُٹھا۔ رگھوبر کی پینٹ کی جیب میں پڑا ایک پانچ روپے کا نوٹ اُس کے دھیان میں تھا، جِس کے بھروسے پر اُس نے روپا کو دودھ لانے کی امّید دلائی تھی، لیکن یہ کہنے کے بعد اُس کو خیال آیا کہ وہ نوٹ تو رگھوبر اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ مہنگائی کا زمانہ ہے۔ روپیے کا سر پھوٹا اور وہ خرچ ہوا۔ اگر رگھوبر نے وہ نوٹ بھی کہیں کچھ لانے میں خرچ کر دیا تو کل کو دوا دارو کہاں سے آئے گی۔ کئی بار گھر میں آٹا نہ ہونے کی وجہ سے گُڑ کھا کر پانی پی کر وقت بتالیا ہے۔ یہ وقت بھی ایسے ہی بیت جاتا۔ روٹی اور دُودھ سے ضروری تو دوا تھی۔ کھڑی کھڑی روپا کی ماں بے بسی اور بے کسی کے ماحول میں گھٹ رہی تھی۔ غریبی اور ناداری کا ناگ اُس کے راستے میں حائل تھا۔ وہ کہیں جا بھی نہیں سکتی تھی۔ مجروح دِل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ ماں کی آنکھوں کے آنسو روپا کے خشک ہونٹوں پر گِرے روپا نے زبان پھیری تو اس کی زبان بجائے میٹھی ہونے کے نمکین ہو گئی۔ بھگوان

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

بھی آرزو کے خلاف ہی کرتا ہے۔ لمحہ بھر میں اُس کو دھیان آیا کہ صبح چائے میں ڈالنے سے بچا ہُوا گڑ رکھا ہے۔ وہی لاکر کھلانے سے اُس کو وقتی سکون مل جائے گا۔
وہ رسوئی کی طرف چلی گئی اور روپا کہتی رہی ــــــ "اماں تم میرے پاس سے اُٹھ کر کہیں مت جاؤ، تمھارے جانے سے مجھے پریشانی ہوتی ہے۔ میرا دُکھ اور بڑھتا معلوم ہوتا ہے۔ میں بھوکی ہی پڑی رہوں گی۔ یوں ہی رات بیت جائے گی۔ آگے بھی تو ہم نے کتنی بار آدھے پیٹ کھا کر اور کبھی بھوکے رہ کر راتیں بتائی ہیں۔ رات میں بخار اُتر جائے گا۔ صبح کو پتاجی کے ساتھ کھانا کھالوں گی۔ جب بخار نہیں رہے گا تب تو روٹی مل ہی جائے گی۔ مگر پھر تم مجھے دُودھ نہیں پلاؤ گی۔ کیوں کہ تم کہتی ہو کہ دُودھ بیمار پیتے ہیں۔"
روپا اپنی کہے جارہی تھی اور ماں گڑ ڈھونڈنے میں مصروف تھی، لیکن وہ روپا کی ہر بات سُن رہی تھی۔ گڑ لاکر دیتے ہوئے ماں نے کہا ــــــ
"ہاں بیٹی! تو رات ہی رات میں ٹھیک ہو جائے گی۔ کل تجھے کھانا بھی کھانے کو ملے گا اور دُودھ بھی پلاؤں گی۔ دُودھ کیا تجھ سے بڑھ کر ہے۔ لے اِس وقت یہ گڑ کھا کر پانی پی لے۔"
ماں کی بات پر وہ چونکی۔ اُسے ایسا محسوس ہُوا کہ وہ یوں ہی سبز باغ دکھا رہی ہے لیکن ہاتھ میں گڑ کی ڈلی دیکھ کر وہ خوش ہو گئی اور جلدی سے گڑ جھپٹ کر کھانے لگی۔ روپا گڑ کھاتے ہوئے بولی ــــــ
"اماں تمھیں دُودھ کی بڑی پریشانی ہے۔ تم گائے یا بھینس کیوں نہیں پال لیتیں؟"
"بیٹی ابھی میں اکیلی ہوں۔ جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو بھینس لے لوں گی۔" ماں نے روپا سے اپنی غریبی اور مجبوری کا راز چھُپانے کے لیے بہانہ تراشا، مگر اُس کی آنکھیں چھلک گئیں۔ جذبات کے سیلاب کو روک لینے والا بہادر آنسوؤں کے قطروں کو نہیں روک پاتا ہے۔ ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اُس نے پانی پیتے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ہوئے کہا ———

"ارے تم رو رہی ہو ——— دُکھ مجھے بھی ہے، رو تم رہی ہو، ایسا کیوں؟"

"بیٹی! دُکھ مجھے بھی ہے، لیکن تمھارا دُکھ سب کو دِکھائی دیتا ہے اور میرے دُکھ کا کسی کو پتہ نہیں ہے۔"

روپا نے ماں کی باتیں اَن سُنی کرتے ہوئے اور بات بدلتے ہوئے کہا "اماں! اُس روز جب راون کا میلہ ہونے والا تھا اور پتاجی ڈبل ڈیوٹی کر کے بیمار پڑ گئے تھے تو میں اِن کے پاس کھڑی کھڑی یہ سوچ کر رو رہی تھی کہ مجھے میلہ کون دکھائے گا مگر تم نے میرے رونے کا سبب پوچھے بغیر ہی مجھے ڈانٹا تھا کہ بیمار کی چار پائی کے پاس کھڑے ہو کر روتے نہیں ہیں۔ یہ بُری بات ہوتی ہے۔ آج تم میری چار پائی کے پاس کھڑی ہو کر وہی کام کیوں کر رہی ہو؟ کیا تم مجھے پتا جی کے برابر نہیں چاہتیں؟ ارے ٹھیک ہے، مجھے یاد آیا ——— سچ مچ تم میرا مرنا ہی چاہتی ہو۔ جب میں کوئی شرارت کرتی تھی تو پتاجی کہا کرتے تھے "روپا میں تیرا گلا کاٹ کر گڈھے میں دبا دوں گا۔ بہت شور کرتی ہے" ——— جب وہ ایسی باتیں کرتے تھے تو تم ہنس دیتی تھیں۔ اِس کا یہی مطلب ہوا کہ تم بھی میرا مرنا چاہتی تھیں۔ نہیں تو ان کو ڈانٹ نہ دیتیں۔ بس اب میں مر جاؤں گی۔ گڈھے میں دبا دینا۔ دیکھو گلا مت کاٹنا ... "

روپا اِتنا ہی کہہ پائی تھی کہ ماں نے اُس کا دِیئے سا مُنھ ہاتھ سے بند کر کے کہا ——— "بیٹی! ابھی تو بچی ہے۔ جانتی نہیں ہے۔ لڑکیوں سے پیار میں اس طرح کی باتیں بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ کوئی اپنی پھول سی اولاد کو مارنا چاہتا ہوگا؟

"کیا پیار میں ایسی بُری باتیں بھی کہی جاتی ہیں؟" ——— بخار کی شدّت میں کانپتے ہوئے روپا نے پوچھا۔

"اگر وہ تجھ کو پیار نہیں کرتے تو دیکھتی نہیں وہ تیرے بغیر کھانا بھی نہیں کھاتے۔ کہتے ہیں روپا کو ساتھ بٹھائے بغیر پیٹ نہیں بھرتا۔ کبھی کبھی تو رُوٹھ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

جاتی ہے تو کہتے ہیں، رُوپا نہیں کھائے گی تو میں بھی نہیں کھاؤں گا۔" ـــــ ٹانگیں دباتے ہوئے ماں نے کہا۔

"اماں! اگر میں مر گئی تو وہ کھانا چھوڑ دیں گے؟" ـــــ رُوپا نے دانت کُریدتے ہوئے کہا۔ یہ دِل شکن بات سُن کر ماں نے جُھنجھلا کر کہا ـــــ

"چُپ! ایسی باتیں نہیں کرتے ہیں۔"

یہ سُن کر وہ چُپ ہو گئی۔ ماں بھی کچھ دیر کو چُپ ہو گئی۔ رُوپا کی بھولی بھالی باتوں سے اُس کا دِل ڈوبا جا رہا تھا۔ ماں اُس کا چہرہ بغور دیکھ رہی تھی۔ اُس کو رُوپا کی خاموشی بھی ناگوار تھی۔ اُسے اب یہ خوف تھا کہ وہ بُرا تو نہیں مان گئی ہے اور رُوپا ماں کے چہرے کو اِس طرح دیکھ رہی تھی کہ وہ کہیں اُسے اور ڈانٹنے والی تو نہیں ہے۔ ماں مُسکرا دی اور بولی ـــــ "کیوں بیٹی! پانی پیئے گی؟" ـــــ اچھے خاصے میں کوئی بات بھی نہیں کرتا لیکن بیماری کی حالت میں تیمار دار بہت خیال رکھتے ہیں اور بڑی خاطر تواضع کرتے ہیں۔

"نہیں!" ـــــ سر کی تکلیف سے بیزار رُوپا نے جواب دیا۔ اب ماں اُس کا سر دَبانے لگی اور بھگوان سے اُس کے ٹھیک ہونے کی دُعا کرتی رہی۔ مصیبت میں بھگوان ہی یاد آتا ہے۔ کچھ دیر بعد رُوپا نے کروٹ بدلی۔ ماں نے اُس کی بے کلی دیکھ کر اور زور سے دبانا شروع کر دیا۔ مامتا کی دیوی ماں سوچ رہی تھی کہ بیٹی کی جان بچ جائے تو وہ اپنی جان دینے کو بھی تیار ہے۔ وہ بابر بادشاہ کی طرح فوراً پلنگ پر لیٹ جائے گی، مگر کوئی اندر سے کہہ رہا تھا ـــــ "پگلی، دولت کی طرح بھگوان بھی بڑے لوگوں ہی کی مدد کرتا ہے۔ غریب کی اُس کے یہاں بھی شنوائی نہیں ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کسی غریب کے گھر بھگوان نے جنم نہیں لیا۔ گوتم ہوں یا مہاویر، رام ہوں یا کرشن، راج گھرانوں ہی میں جنمے ہیں۔"

اُدھر ٹائم آفس کے پاس جا کر جب رگھوبیر نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو پانچ کا نوٹ ہاتھ میں آ گیا ـــــ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"ارے میں اِسے بھی ساتھ لے آیا۔ روپا کے لیے دُودھ کہاں سے آئے گا۔ وہ بےچاری رات بھر بھوک تڑپے گی۔۔ بیوی کچھ بھی نہ کرسکے گی۔ اُس کے پاس تو کانی کوڑی بھی نہیں ہے۔" ——— یہ سوچ کر اُس کے قدم دھیمے پڑنے لگے۔ چال میں سُستی آگئی۔ للّو نے کہا ———

"ڈیوٹی کا ٹائم قریب آرہا ہے اور تم بجائے تیز چلنے کے اور دھیمے چل رہے ہو۔ کیا غیر حاضری کرنے کا ارادہ ہے ؟"

یہ سُن کر رگھوبیر نے للّو کو اپنی کہانی سُنائی۔ للّو بولا ——— "تیری بیوی بہت ہوشیار ہے۔ وہ کچھ نہ کچھ انتظام کر ہی لے گی۔ گھریلو معاملوں میں عورتیں، آدمی سے بھی زیادہ کام کر بیٹھتی ہیں۔ پریشانی میں تو دماغ اور بھی تیزی سے کام کرتا ہے۔"

"کچھ بھی ہو دوست مگر غریبی میں کوئی بھی ہوشیاری آڑے نہیں آتی۔" کہتے ہوئے رگھوبیر کے قدموں میں تیزی آگئی۔

"رگھوبیر ! ہمارے دیس میں غریبی ہے بھی بہت۔" ——— للّو نے اُداسی اور سنجیدگی سے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو ! مگر ہماری سرکار غریبی دُور کرنے کی کوشش کرنے پر بھی غریبی کو نہیں مٹا پائے گی، کیوں کہ اِس سلسلے میں قانون بنانے والے اور ان پر عمل کرنے والے لوگوں کے ضمیروں میں بہت بڑا فرق ہے۔ غریبوں کو دی جانے والی امداد غریبوں تک آتے آتے چوتھائی بھی نہیں رہتی۔ جیسے ٹیوب ویل کا پانی بہت دُور تک جانے میں کھیت میں چوتھائی ہی پہنچ پاتا ہے۔ کچھ رِس جاتا ہے، کچھ زمین سوکھ لیتی ہے۔ جب الیکشن قریب آتے ہیں تو غریبی ہٹاؤ کے پروگرام اور نعرے زور پکڑ جاتے ہیں اور الیکشن کا طوفان اُترتے ہی سب نیتا کانوں میں تیل ڈال کر سو جاتے ہیں۔ کسی کی مدد کرنے ہی سے غریبی نہیں گھٹتی۔ غریبی کو دُور کرنے کے لیے آپسی جھگڑے فساد، گھُس پیٹھیوں کی سازشیں، جمع خوروں کے ہتھکنڈے، پونجی پتیوں کی چالیں بھی دھیان میں رکھنی ہوں گی۔ جس کی طرف سے ہماری سرکار

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

تساہل برت رہی ہے۔ یہی چند باتیں دلیش کی خوش حالی میں روڑا اٹکا رہی ہیں۔ ذرا سی باتیں کاشمیر کا مسئلہ بن جاتی ہیں۔"

"ارے یار! چھوڑ بھی! تم نے تو نیتاؤں کی طرح لیکچر دینا شروع کر دیا۔ بھئی میں تو اَن پڑھ ہوں، صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ غربی ختم نہیں ہوگی۔ ہمیں تو تین سو فٹ گہری کھان میں کام کرنا ہے۔ بھلا سیاست سے ہمیں کیا مطلب؟ کمانے کھانے کے علاوہ ہمیں تو کچھ سوچنا ہی نہیں چاہیئے۔ کولھو کے بیل کو گوڑی سے کیا کام!"

دونوں نے نمبر اٹھایا اور اژدہے کی طرح منہ پھیلائے کوئلے کی کھان میں اتر گئے۔

رات کے بارہ بجے روپا کی آنکھ کھلی۔ اُس نے بڑبڑا کر کہا ـــــ "اماں! پتا جی دودھ لے آئے ہیں، لا پلا دے!"

"بیٹی، تو نے سپنا دیکھا ہوگا۔ ابھی وہ کہاں آئے ہیں"

"سپنا۔۔۔؟ کیا یہ سپنا پورا نہیں ہوگا؟"

"بیٹی سپنا پورا ہو یا نہیں، مگر تجھے دودھ ضرور ملے گا۔ وہ آتے ہی ہونگے" ڈیوٹی پر جانے کی بات ظاہر نہ کرتے ہوئے رُوپا کی ماں نے سمجھایا اور پیار سے لوریاں دیتی رہی تاکہ وہ صبح تک کے لیے سو جائے۔ ابھی وہ سوئی نہیں تھی۔ تھوڑی دیر خاموشی اختیار کرنے کے بعد وہ پھر بولی ـــــ

"اماں اگر میں ٹھیک نہ ہوئی اور رات ہی رات میں مر گئی تو پتا جی مجھے نہیں مل سکیں گے۔ چلو کوئی بات نہیں، وہ دودھ تم دونوں بانٹ کر پی لینا۔ کیوں اماں؟ میرے مرنے کے بعد وہ کس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا کریں گے؟"

"بیٹی، تو ایسی باتیں کیوں کرتی ہے بھلا بخار کس کو نہیں آتا ہے۔ یہ تو معمولی سی بیماری ہے۔ ٹھیک ہو جائے گی۔ تو کاہے کو مرے، مریں تیرے دشمن۔"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"اماں روگی دوا کھانے ہی سے تو ٹھیک ہوتے ہیں۔ مجھے تو دوا ملی ہی نہیں ہے تو بتاؤ کیسے ٹھیک ہو جاؤں گی؟"

"روپا تو بولے ہی چلی جائے گی" ـــــ ماں نے جھنجھلاتے ہوئے بات جاری رکھی ـــــ "میں کہتی ہوں وکالت کرنا چھوڑ دے اور آرام سے آنکھیں بند کر کے سو جا۔ مجھے تیرا بولنا برا لگتا ہے۔ دن نکلے گا تو دوا بھی لا دوں گی۔"

"اچھا، میرا بولنا بھی برا لگتا ہے تو لے میں بولوں گی ہی نہیں" ـــــ روپا غصے ہو کر کروٹ لے کر ایسے لیٹ گئی جیسے اب اُسے کروٹ لینی ہی نہیں تھی اور بولنا نہ بولنا سب اُس کے قابو میں تھا۔ وہ بے چاری یہ تو جانتی نہیں تھی کہ ماں نے یہ الفاظ ناراضگی سے نہیں، جھنجھلا کے کہے تھے اور ماں بھی اُس کے کہے کا دوسرا ہی مطلب لگا رہی تھی۔ اب اُس کو اپنے سخت سُست الفاظ پر افسوس ہو رہا تھا۔ بغیر سوچے سمجھے بولنے پر وہ رُوٹھ گئی اور اُس سے روٹھنے کا سبب محض اُس کی کرخت باتیں تھیں۔ ماں بیٹھی بیٹھی سوچ رہی تھی کہ وہ ذرا کروٹ لے اور کچھ کہے تو سب سے پہلے وہ اس کے دماغ سے خفگی کے جذبے کو نکال دے۔ پیار سے بیٹی بیٹی کہے، پیار سے سر اور سینہ سہلائے۔ طرح طرح کی باتیں سوچتی رہی مگر روپا نے بہت دیر تک کروٹ ہی نہیں بدلی اور نہ کچھ کراہی اور بولی۔

ماں کو اُس کی یہ خاموشی بھی کھل رہی تھی۔ پانچ بجے تک اُس نے آنکھ نہیں کھولی۔۔ کبھی کبھی بڑبڑا تو دیتی تھی۔ ماں طرح طرح کے خیالات میں اُلجھی، مکڑی کے جال میں پھنسی مکھی کی طرح من مسوس کے روتی سسکتی رہی۔ دن نکلنے کے آثار نظر آنے لگے۔ چڑیاں چہچہانے لگیں۔ مندروں میں سنکھ اور مسجدوں سے اذان کی آوازیں گونجنے لگیں۔ رکشے تانگے کھڑکھڑانے لگے۔ گاڑیوں کی چرمر چوں چرر چرر کی دھنیں چھڑ گئیں۔ سب کچھ سہی، مگر اُس کی چڑیا! ابھی تک چپ چاپ پڑی تھی۔ وہ کچھ سوچ کر اٹھی کہ اُسی وقت دروازے پر کار آ کر رُکی۔ وہ چونک گئی۔ اُس کے دروازے پر آج تک کبھی کوئی کار آ کر نہیں رُکی تھی۔ اُس کی شادی میں بھی کرائے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کا یکہ گیا تھا۔ اُس کا دِل دھڑکنے لگا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ کار کی آواز سے روپا کی آنکھ بھی کھُل گئی۔ اِس وقت اُس کو بے ربط سانسیں آرہی تھیں جیسے جانکنی کے وقت آتی ہیں۔ اُس نے دروازے کی طرف ماں کو بھاگتی ہوئی دیکھا تو کہا ——

"امّاں میں جاگ رہی ہوں۔ تم مجھ کو چھوڑ کے کہیں مت جاؤ۔ تمھارے جانے سے میرا دُکھ بڑھتا ہے۔ تم مجھ سے ناراض ہو یا میرے بول سے !"

یہ سُن کر ماں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور —— "نہ میں تجھ سے ناراض ہوں نہ تیرے بول سے" —— دِل ہی دِل میں اُس کے سوال کا جواب دیا۔ رُوپا تیز بخار کی گرمی سے بیزار تھی۔ سرسامی حالت میں چونک چونک پڑتی تھی۔ ماں کی بے چینی اور گھبراہٹ حد سے گزرتی جارہی تھی۔ روپا نے خود کو گھر میں تنہا دیکھ کر خوف کے مارے کپڑے سے مُنہ ڈھک لیا۔ ماں نے دروازہ کھولا تو دیکھتے ہی اُس کی چیخ نکل گئی۔ روپا نے پھر مُنہ اُگھاڑا۔ اندھیرا کم تھا۔ سورج نکلنے ہی والا تھا۔ اُسے ماں کی چیخ تو سُنائی دی مگر دکھائی کچھ نہیں دیا۔ اُس نے زور سے کہا ——

"ہائے مُنّی کی طرح میری ماں کو بھی ڈاکو پکڑ کر لے جا رہے ہیں۔ اِس وقت تو کوئی چھڑانے والا بھی نہیں ہے۔ پتا جی ہوتے تو یہ کچھ نہیں ہوتا۔ میں ٹھیک ہوتی تو ان ظالموں کی چمٹے سے کھال اُدھیڑ دیتی۔ ہائے میں کیا کروں۔ اب تو میں مر جاؤں گی۔ ضرور ہی مر جاؤں گی۔"

شدّتِ خوف سے وہ چپ ہو گئی۔ کار سے اُتار کر رگھوبر کی لاش صحن میں لا کے رکھ دی گئی۔ کسی وطن دشمن نے ٹائم بم رکھ کر کھان کو اُڑا دیا تھا۔ ڈیوٹی پر تین سو سٹّر مزدوروں میں سے زیادہ تر مر چکے تھے۔ کچھ گھائل تھے جو موت کی گھڑیاں گِن رہے تھے۔

روپا اِتنے شور وغل، چیخ پکار میں چپ تھی۔ روتی، بلکتی ماں اُس کے پاس گئی اور اُسے جھنجھوڑتے ہوئے بولی —— "رُوپا! کم بخت تو تو نہیں مری۔ تیرے پتا جی دُنیا سے چلے گئے۔ تو نے ایسی گھڑی میں کہا تھا کہ پورا ہو گیا۔"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کافی ہلانے پر بھی وہ نہیں بولی۔ اُس کی زبان تو نہیں، اُس کی آتما کہہ رہی تھی کہ وہ اپنے پتاجی کے ساتھ ہی چلی گئی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر کیسے جی سکتے تھے۔

"ہائے بیٹی! تو بھی گئی" ـــــ ماں کے منہ سے نکلا اور وہ بُری طرح تڑپنے لگی۔ وہ طرح طرح کی باتیں روتے ہوئے کہتی جاتی تھی اور رگھوبر کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پانچ کا نوٹ بھی تلاش کر رہی تھی جو کہیں کسی نے اُس کی گھڑی کے ساتھ ہی کار میں رکھنے سے پہلے صاف کر دیا تھا۔ OO

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

شِو جی کی سَواری

ٹھاکُر جس کرن سنگھ کی جرسی گائے کو تین بار ویٹرنری ہسپتال لے جایا گیا مگر وہ کسی کارن گابھن نہ ہو سکی۔ اب کی بار ٹھاکُر صاحب نے ویٹرنری کی بجائے نزدیکی گاؤں کے سانڈ کی خدمات حاصل کیں اور منّت مانی کہ اگر گائے نے بچھڑا دیا تو اُسے شِو جی کی سواری کے لیے کُھلا چھوڑ دیں گے تاکہ وہ اُن کے اپنے گاؤں میں سانڈ کی کمی دُور کر سکے۔

قُدرت کی مہربانی کہ اُن کی یہ مُراد پوری ہوئی اور گائے نے خوب صورت اور صحت مند بچھڑے کو جنم دیا۔ جب وہ بچھڑا تین سال کا ہو گیا تو ٹھاکُر صاحب نے بستی کے چند معزز لوگوں کو بُلوایا اور اُس بچھڑے کی ہر شخص سے الگ الگ قیمت انکوائی۔ ہر کسی نے اپنے اپنے اندازے سے قیمت آنکی۔ شہرت پسند ٹھاکُر صاحب نے اُسے بیچنا تو تھا ہی نہیں۔ محض اپنے گاؤں والوں پر یہ دھاک بِٹھلانے کی غرض سے کہ اُن کی بھلائی کے لیئے ٹھاکُر صاحب کِس قدر قیمتی بچھڑے کو سانڈ بنا کر چھوڑ رہے ہیں اور اُن کی اس فراخدِلی کی تعریف ہو۔

ایک دِن اُنھوں نے اپنی منّت کے مطابق براہمن کے شلوک اُچارن کے دَوران بچھڑے کو داغ لگوا کر چھوڑ دیا اور بچھڑا ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کی خوشی میں اُچھلنے کودنے والے ہندوستانیوں کی طرح پو قدمے جنگل کی طرف

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

دیوانہ وار بھاگ گیا۔ سارا کنبہ اِس کارِ خیر پر خوش تھا۔ گاؤں کے بہت سے لوگوں نے بھی اُن کے اِس دھارمک کاریہ کی تعریف کی۔ اِس زمانے میں کوئی کسی کو بے غرض کانی کوڑی بھی نہیں دیتا۔ جہاں بہت سے لوگ ٹھاکر صاحب کے سامنے اُن کی تعریف کے راگ الاپتے، وہیں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بظاہر اِس بھلے کام میں بُرائی کا پہلو بھی نمایاں کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ دھنّا نائی اُن نکتہ چینوں میں سب سے پیش پیش تھا۔ ایک دِن شام کے وقت ٹھاکر صاحب کی چوپال پر اُس نے کہا ــــــ

"ٹھاکر صاحب! اِن دنوں ہندوستان میں گائے پالنے کا رواج گھٹتا جارہا ہے۔ کوئی دان میں ملی گائے کو بھی پالنا نہیں چاہتا اور اِس جھنجھٹ سے بچنے کے لیے برہمنوں نے بھی شادی بیاہ میں گئو دان کی جگہ نقد روپیہ لینا شروع کر دیا ہے۔ لُٹیا بھر دُودھ دینے والی گائے کو پال کر کیا فائدہ؟ اِسی لیے تو آپ دیکھ لیجیے قانونی پابندی کے باوجود ہندوستان میں ہزاروں گائیں روز موت کے مُنہ میں دھکیل دی جاتی ہیں۔ مہنگائی کا زمانہ ہے، ایسا بھی کیا جو لوٹ کے باڑھ کھیت کو کھا جائے۔ اِسی لیے تو زیادہ تر کسانوں نے بھینس پالنا شروع کر دیا ہے۔ یہ مانا کہ بھینس سے بھی زیادہ دُودھ دینے والی گائے کی مختلف نسلیں موجود ہیں، مگر وہ سرکاری کیٹل ہاؤسوں میں ہیں، عام جنتا تک نہیں پہنچ پارہی ہیں۔ بھینسوں کے گابھن کرانے میں گایوں کے مقابلے کچھ پریشانی بھی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں آپ ایک سانڈ چھوڑ کر کوئی بڑھیا کام نہیں کر رہے ہیں۔ نیل گایوں کے جھُنڈ کے جھُنڈ تو ہری بھری فصلوں کو برباد کرتے ہی ہیں، کسانوں کے لیئے آپ کا چھوڑا ہوا سانڈ ایک اور دُشمن پیدا ہو گیا ہے۔ کِسانوں نے ضرورت کے پیشِ نظر کھیتوں میں جہاں تہاں درخت لگائے تھے، وہ بن وبھاگ نے ہتھیا لیئے اور اُن کا کاٹنا انسانی قتل کی طرح جُرم قرار دے دیا گیا۔ اب خطرناک جانوروں کو بھی وائلڈ لائف پروٹیکشن ایکٹ کی چھتر چھایا مل گئی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ہے۔ آپ نے ایک پالتو جانور کو آزاد جنگلی جانور بنا کر کِسانوں کے سر درد میں اضافہ ہی کیا ہے۔ یہ جن کِسانوں کی فصل کو نقصان پہنچائے گا وہ تو آپ کو بھلا کہیں گے نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ کے سامنے اپنے نقصان کے باوجود کچھ نہ بولیں۔ جیسے بیوپاری انکم ٹیکس ریڈ والے افسروں کے سامنے کچھ نہیں کہتا اور اپنے گدّے صوفے پھٹتے اُدھڑتے دیکھتا رہتا ہے۔ مظلوم مجبوراً زبان تو بند رکھ سکتا ہے مگر دِل کو بد دُعا دینے سے نہیں روک سکتا۔ جیسے کِرن کو گرد اور نظر کو شیشہ نہیں روک سکتا۔ سمجھ لیجیے ٹھاکر صاحب ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ تیر ترکش ہی سے نکلا ہے، کمان سے نہیں۔ آپ کے ایک ہی لڑکا ہے۔ آپ کا چھوڑا ہوا سانڈ جب من چاہی خوراک کِسانوں کے کھیتوں کو ویران کر کے حاصل کرے گا، تو اُس کی جوانی کا جوش اس کو آپے سے باہر کر دے گا، تو اُس کی بدمست جوانی اُس کے طاقت ور سینگوں کے خطرناک وار سے کسی بے گناہ اور کمزور انسان کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔

میری رائے میں تو آپ کا یہ سانڈ عوامی مفاد کے مُقابلے میں، اِنسانوں اور فصلوں کو زیادہ نقصان پہنچائے گا اور آپ کا یہ دَھرم کا کام اَدھرم ہو کر رہ جائے گا۔ اگر آپ کو دَھرم کے کام سے نیکی کمانا ہی تھی تو یہ بچھڑا کسی غریب کو دان کر دیتے، جِس سے کِسی غریب پریوار کی کھیتی بھی سنبھلتی اور اُس کی مالی حالت بھی سُدھرتی۔"

دَھنّے نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے بیڑی سُلگائی۔ دھنّا نائی کا ایک ایک لفظ ٹھاکر صاحب کے کانوں کے راستے اُن کے دل میں اُتر چکا تھا مگر ٹھاکر صاحب اپنی آن رکھتے ہوئے کہنے لگے ـــــــ

"دھنّا! پرندوں میں کوّا اور اِنسانوں میں نوّا بہت سیانا ہوتا ہے تو نے جو کچھ کہا ہے وہ تیری عقل کے حساب سے ٹھیک ہے۔ تو نے یہ نہیں سوچا کہ جو گائیں پالی جاتی ہیں اگر اُن کے لیے اچھی نسل کے سانڈ مہیا نہیں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کیے گئے تو گایوں کی اچھی نسل ہی ختم ہو جائے گی۔ سرکار گیدڑ، لومڑی، خرگوش، مور، نیل گائے وغیرہ تک جنگلی جانوروں کی نسل کو برقرار رکھنے کی کوشش کر رہی ہے اور تم گائے کی نسل اور اُس کی حفاظت کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟ یہ تو پالتو جانور ہے، جنگلی نہیں۔ اسی لیے تو اِس کی حفاظت سرکار نہیں کر رہی ہے۔ اور ہم تم پر اس کی تمام ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ تونے میرے اچھے کام میں نقص نکالتے وقت یہ کبھی سوچا کہ سانڈ چھوڑنا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ رہا سوال فصل کے نقصان کا تو، ان جانوروں سے کہیں زیادہ نقصان نئی نئی سرکاری تعمیرات، بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے بنائے گئے مکان، کارخانے، نئی نئی سڑکیں، ڈیم، نہریں، سوکھا، پالا، اولے، قحط، گرم ہوائیں اور طوفان و طغیانیوں سے ہوتا ہے۔ علاقے کے علاقے تباہ ہو جاتے ہیں، یہ تو ایک دو کھیت ہی چکھے چُگائے گا۔ ان گنت مفت خورے، فقیر، سادھو، سنیاسی اور بھیک مانگنے والے دھرم کرم کی آڑ میں سماج کے آنگن میں پل رہے ہیں۔ تو کیا پورے گاؤں سے ایک سانڈ نہیں پل سکتا؟ میں نے تین ہزار کا بچھڑا تمہارے بھلے کے لیے سانڈ بنا کر چھوڑ دیا تو تم سب مل کر اِس کو چارہ نہیں دے سکتے؟

ہاں اِس کے مرکھنا ہونے پر کسی کی جان جانے کی بات ضرور قابلِ غور ہے، تو بھائی کھیرٹی کھاتے پہنچا ٹوٹ جاتا ہے، جس کو جس طرح مرنا ہے اُسی طرح مرے گا۔ زندگی اور موت کا تانا بانا اُوپر والے کے ہاتھ میں ہے۔ سانڈ کی تو بات کیا، جب کسی کی موت آتی ہے تو گھر میں پالتو جانور تک موت کا سبب بن جاتے ہیں۔"

یہ سب کچھ کہتے کہتے ٹھاکر صاحب کو طیش آگیا۔ دھنّا موقع کی نزاکت کو تاڑ کر بھیگی بلی کی طرح کان نیچے کیے اپنی راہ چل دیا، لیکن اُس نے خُدا لگتی کہنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ بظاہر دھنّا ٹھاکر سے ہار مان گیا تھا لیکن درپردہ ٹھاکر صاحب کی ہار ہو چکی تھی اور اُن کے دِل و دماغ کو دھنّا کے جلے بھنے الفاظ نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

چند ہی مہینوں میں وہ بچھڑا تگڑا سانڈ ہوگیا۔ جوبن اور جوانی کس پر رنگ نہیں جماتے ہیں۔ اب وہ چنگیز خاں کی طرح جس طرف چاہتا حملہ آور ہوتا اور کوئی اُسے رد کرنے والا ہی نہیں تھا۔ وہ جس کھیت میں چاہتا، چرتا۔ کھاتا کم، ضائع زیادہ کرتا۔ پتلے دُبلے، بندھوا پالتو جانور اُس کی اِس آزادی کو دیکھ کر حسد کرتے ہونگے۔ مگر زار بادشاہ کی مجبور رعایا کی طرح کچھ بھی نہیں کر پاتے تھے۔ کوئی کسان نقصان سے بچنے کے لیے ڈرا دھمکا کر اُس کو کھیت کے باہر رگید بھی دیتا تھا مگر پھر پلٹ کر بندر کی طرح اس کو گھُڑک دیتا تھا۔

نندکُمار کے گھر میں رکھے چارے پر یہ سانڈ جیسے اپنا حق سمجھتا۔ لہٰذا جب بھی اس کی مرضی ہوتی، وہ بِلا کھٹکے وارِد ہوتا اور پیٹ بھر چارہ چر کر یہ جا وہ جا۔ گاؤں کے لوگ خوف زدہ ہونے کی وجہ سے اُس کے مقابلے میں نہیں آتے تھے۔ وہ بھی دھیرے دھیرے پولیس افسروں کی طرح مغرور ہوگیا اور مطلق العنان بن گیا۔ اُس کے طور طریقے خوں خوار ہوگئے تھے۔ جوانی کا اُبھان، وَلولوں میں اُڑان اور جسم میں جان، اس کی تثلیث نے ایک دِن گنیشی فوجی کی بیوہ کے اکلوتے لڑکے کو سینگوں پر پھول کی طرح اُٹھا کر درخت کے پاس پھینک دیا۔ جب تک گنیشی کی بیوہ کو اِس حادثے کی خبر ہوئی، تب تک اُس کے اِکلوتے بیٹے نے دَم توڑ دیا تھا۔ بیوہ ماں کا تو اِس جاں کاہ حادثے سے بُرا حال تھا ہی، اُس کے ساتھ تمام بستی کے لوگوں کو بھی اس غیر معمولی حادثے کا دِلی افسوس تھا۔

دھنّا کی کہی ہوئی باتوں کو پھر دُہرایا جانے لگا اور بستی کے لوگ ایک دوسرے سے اِس سلسلے میں اپنی پریشانی کا اظہار کر رہے تھے۔ ہر شخص اُس بچّے کی موت کا باعث ٹھاکر صاحب کو ہی ٹھہرانے لگا۔ کچھ لوگ ٹھاکر صاحب کی عدمِ موجودگی میں اُنھیں اِس موت کا ذِمّہ دار ٹھہراتے اور کچھ منہ پھَٹ ٹھاکر صاحب کے منہ پر ایسا کہنے میں بے باکی کا اظہار کرتے۔

ایک بار بستی کے لوگوں کے خفگی آمیز جذبات کو سُننے کے بعد ٹھاکر صاحب

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

نے بستی والوں سے یہ دوٹوک کہہ دیا کہ اُنھوں نے سانڈ سے کیا یہ کہہ رکھا تھا کہ وہ کسی کا خون کرنے لگے۔ جس کی موت جس طریقے سے ہونی لکھی ہوتی ہے ، ویسے ہی ہوتی ہے۔ ایسی غیر متوقع موت پر ملال تو ضرور ہوتا ہے مگر افسوس کرنے سے کسی کے مقدّر کو تو بدلا نہیں جا سکتا۔ میں نے تو عوام کی بھلائی کے لیے سانڈ چھوڑا تھا۔ جیسے چاقو بنانے والا یہ نہیں جانتا کہ اُس چاقو سے کوئی کسی کا گلا کاٹ دے گا۔ ایسی حالت میں چاقو بنانے والے کی کیا خطا ہے ، وہ تو ضروریات زندگی میں کام آنے کے لیے چاقو بناتا ہے۔ یہ تو شِو کی سواری ہے لہٰذا سانڈ کا کیا قصور ہے ۔ یہ تو مرنے والے کے مقدّر کا قصور تھا یا پھر اس کے پچھلے جنم کے سنسکاروں کا پھل ، جو ہر کسی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ ٹھاکر صاحب نے بستی کے لوگوں کو کہنے کو تو یہ سب کہہ دیا تھا مگر اپنی صفائی دینے میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے اور ہر شخص اُنھیں ظالم قرار دے رہا تھا۔

اِس حادثے کو گزرے ابھی پندرہ دِن بھی نہ ہوئے تھے کہ سانڈ نے ایک حاملہ مہترانی کو سینگوں پر اُٹھا کر پٹخ دیا جس سے ایک ساتھ دو موتیں ہوئیں۔ یہ معمولی حادثہ نہیں تھا۔ تمام بستی میں سانڈ کے خلاف نفرت اور غصّہ پھیل گیا۔ اِس دوسرے خونی واقعے کے بعد بستی کے لوگوں کا ردِ عمل سانڈ کے ساتھ ساتھ ٹھاکر صاحب کے خلاف بھی نفرت اور غصّے کا اظہار تھا اور خونی سانڈ کی ہر کرتوت کا اثر ٹھاکر صاحب کی شخصیت پر برا پڑتا تھا۔ دن دِن وہ بستی والوں کی نظروں میں گرنے لگے۔ بظاہر تو وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھے مگر اندر ہی اندر کبھی کبھار یہ بھی سوچتے تھے کہ دھنّا کی رائے غلط نہیں تھی۔ بستی کے لوگوں نے جوش میں آکر برچھی ، بلّم ، لاٹھی اور ڈنڈے سنبھال لیئے اور سانڈ کا کام تمام کرنے کے لیئے جنگل کی طرف جانے کی تیاریاں کرنے لگے کہ گاؤں کے بوڑھے پردھان نے سمجھایا ـــــــ

" جوش میں ہوش نہیں کھو دینا چاہیئے۔ بھارت کی قسم! آدمی طاقت

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

سے کم اور عقل سے زیادہ جیتتا ہے۔ نیل گائے کی طرح سانڈ بھی قومی ملکیت میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کو مارنا قانوناً جرم ہے۔ مذہبی نظریے سے بھی یہ پاپ ہے کیوں کہ یہ شو جی کی سواری ہے۔ ظالم کے ظلم ہی اُس کے سر پر جھکی تلوار بن جاتے ہیں۔ تم پاپ کے بھاگیدار کیوں بنتے ہو؟ اس کی موت قریب ہے۔ انتظار کرو۔ ٹھاکر اور سانڈ دونوں ان موتوں کی ذمہ داری سے نہ بچ سکیں گے۔

پر دھان کے سمجھانے سے یہ لوگ کرفیو میں گھرے فسادی لوگوں کی طرح سانڈ کو مارنے کا ارادہ ترک کر کے نہتّے ہو کر ٹھاکر صاحب کے گھر جا پہنچے تاکہ اُن پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ خود ہی سانڈ کو گولی سے مروا دیں۔ ٹھاکر صاحب نے بستی کے لوگوں کی بھیڑ اپنی ڈیوڑھی کے سامنے دیکھ کر گھٹنے ٹیک دیئے اور ستیا کا دامن پکڑا، جیسے گھیراؤ میں وزیر ترکیب سے کام لیتا ہے اور سانڈ کو مروا دینے کا وعدہ کیا۔ بھیڑ خاموش ہو گئی، جیسے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے سے اُبلتے ہوئے دودھ کا جوش ختم ہو جاتا ہے۔

مگر ٹھاکر صاحب کا یہ وعدہ محض زبانی وعدہ سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ وہ کسی نہ کسی بہانے سانڈ کے مروانے کا وعدہ لمبا کرتے گئے اور بستی کے لوگوں کو یقین دلاتے رہے کہ جوں ہی موقع ملا، سانڈ کو گولی مروا دی جائے گی۔ بستی کے لوگ ٹھاکر صاحب کے اس یقین پر اعتماد کرتے رہے اور ٹھاکر صاحب دل ہی دل میں خوش تھے کہ وہ بستی والوں کو خالی وعدوں اور یقین دہانیوں سے خاموش کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں اور اُن کا چھوڑا ہوا سانڈ زندہ ہے۔ ہاں زمیندار نے یہ ضرور کیا کہ اپنے کارندے سے درپردہ کہہ دیا تھا کہ وہ جب بھی سانڈ کو بستی کی طرف آتا دیکھے تو بندوق کی گولی ہوا میں چلا کر سانڈ کو بھگا دیا کرے تاکہ وہ سانڈ کے مروانے کا پاپ اپنے سر نہ لیں اور بستی والوں کا بھی جانی نقصان نہ ہو۔

کچھ ہی دن گذرے تھے کہ بھاگتے ہوئے سانڈ نے سڑک پر جا رہے رکشے کو ٹکر مار دی۔ جس سے رکشا کا پہیّہ مڑ گیا اور رکشا اُلٹنے سے رکشا میں بیٹھے ہوئے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

دونوں سوار شدید مجروح ہونے کے باعث وہیں موقع پر ہی راہیٔ ملکِ عدم ہو گئے
اس طرح پانچ موتیں ہو چکی تھیں اور ٹھاکر صاحب اِن سانحات کو کچھ کو مُقدّر کا
کھیل، بھگوان کی مایا، ہونی، پورب جنم کے سنسکار کہہ کر ہی ٹالتے رہے اور
سانڈ کو گولی کا نشانہ بنانے کا یقین حسبِ سابق بستی والوں کو دِلاتے رہے۔
کچھ دِنوں بعد اُن کا اکلوتا لڑکا مزدوروں سے کھیت پر کام کرا رہا تھا کہ اُسی
سانڈ نے اُسے رگید لیا۔ لڑکا بھاگتے بھاگتے کسی وجہ سے پاؤں پھسل جانے
سے گر گیا۔ جتنی دیر میں وہ سنبھل کر اُٹھتا کہ سانڈ نے سینگوں سے رگڑ رگڑ کر بھرتا
بنا دیا۔ کچھ مزدوروں نے ارادہ بھی کیا کہ اُس کو بچایا جائے مگر اپنی اپنی جان بچانے
کے باعث سب کے سب وہیں ٹھٹھک کر رُک گئے۔ مزدوروں نے دوڑ کر ٹھاکر
صاحب کو اس سانحے کی خبر دی تو اُن کے غصّے کی انتہا نہ رہی اور اُنھوں نے
بندوق اُٹھائی اور چپ چاپ اُدھر چل پڑے جہاں اُن کی آنکھوں کے تارے کو
سانڈ نے ہمیشہ کے لیے بُجھا دیا تھا۔ اُنھوں نے دیکھا کہ سانڈ غصّے میں پھنپھنا
رہا تھا۔ ٹھائیں کی آواز نے بستی والوں کے دِل دہلا دیئے اور ایک ہی گولی
نے سانڈ کو ڈھیر کر دیا تھا۔ شوجی نے اپنی سواری کی حفاظت کی اور نہ ہی قانون
نے جنگلی جانور کی۔
ٹھاکر صاحب اپنے بیٹے کی لاش کے پاس پہنچے اور بُری طرح پھوٹ
پھوٹ کر رونے لگے۔ وہیں پوری بستی والے بھی جمع ہو گئے تھے۔ بظاہر سب
کے چہروں پر اُداسی تھی مگر چلمن کے پیچھے چھپی حسینہ کی طرح اِس اُداسی کے پیچھے
خوشی بھی محسوس ہو رہی تھی اور ہر ایک شخص آنکھوں ہی آنکھوں میں کہہ
رہا تھا کہ "ٹھاکر صاحب! یہ تو پورب جنم کے سنسکاروں کا پھل ہے۔ نصیب
کا لکھا ہوا ہے، ہونی ہار مٹائے نہیں مٹتی ہے۔" دھنّا واقعی مُنہ پھٹ
تھا۔ وہ اِس وقت بھی خاموش نہ رہ سکا اور پردھان کے کان میں چپکے سے
کہا

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"یہ لڑکا اگر سانڈ کا پہلا شکار ہوتا تو باقی پانچ کی جانیں بچ جاتیں۔"

پردھان نے فوراً اُس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ کر کہا

"اِس زمانے میں سچ کو زُبان پر نہیں لاتے ——— !" ○○

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

حسّاس عورت

کملا، بملا اور نرملا تینوں حقیقی بہنیں تھیں اور حسین تھیں۔ مگر نرملا جو سب سے چھوٹی تھی اُس کی ایک ٹانگ میں کچھ نقص تھا، جس کی وجہ سے وہ کچھ اِس طرح لنگڑا کر چلتی جیسے نئے جوتے پہن کر کسان۔ اِسی جسمانی نقص کی وجہ سے وہ بینک کے کلرک سے بیاہی گئی تھی۔ باقی دونوں بہنوں کی امیر گھرانوں میں شادیاں ہوئیں۔ ایک طرف اُس کا جسمانی نقص اُس میں مسلسل احساسِ کمتری پیدا کرتا رہتا تھا تو دوسری طرف اُس کا حسین چہرہ اُسے فخر کے ساتھ جینے کی حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا، مگر آخر میں جیت پہلے جذبے کی ہوتی تھی اور اِسی لیے وہ کسی تقریب میں نہیں جاتی تھی۔ اُس کے شوہر آلوک نے بھی دھیرے دھیرے تقاریب میں آنا جانا بند کر دیا۔ لوگوں کو اُن کا یہ رویّہ پسند نہیں آیا اور ایک دوسرے سے شکایت کرنے لگے کہ اگر یہ کسی کی تقریب میں شریک نہیں ہوں گے تو اُن کے گھر کون آئے گا۔ راہ و رسم کو نبھانا اور سماج کے ساتھ مِل کے چلنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کی طرح اُن پر کسی کی بات کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ دھیرے دھیرے یہ بات رشتہ داروں تک بھی پہنچ گئی اور ایک دن نرملا کی ماں آدھمکی۔ اُس نے سوچا تھا کہ دونوں میں کسی وجہ سے مَن مُٹاؤ ہو

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

گیا ہوگا جس کے باعث وہ کسی تقریب یا رشتہ داروں میں آجا نہیں رہے ہیں۔
آلوک اِس وقت اِسٹوو کی صفائی کر رہا تھا۔ دونوں ہاتھ کالک میں لتھڑے ہوئے تھے۔ ساس، داماد کی جوں ہی آنکھیں چار ہوئیں، آلوک نے نمستے کی اور اُنھیں بیٹھنے کو کُرسی سرکا دی۔ ساس نے کُرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا ——

"نرملا کہاں ہے، جو تم یہ کام کر رہے ہو؟"

"ماتا جی! جو کام میرے سامنے ہوتا ہے، مَیں یہ کبھی نہیں سوچتا کہ یہ کس کا کام ہے۔ فوراً کرنے لگتا ہوں۔ مجھے نرملا کے بہت سے کاموں میں ہاتھ بٹانا اچھا لگتا ہے۔ وہ پریم سہائے ماتھر کے گھر گئی ہوئی ہے۔ ابھی آتی ہی ہوگی۔ آپ تھک تھکا کر آئی ہیں، آرام کیجیے!"

"یہ ماتھر صاحب کون ہیں؟" —— نرملا کی ماں نے ماتھے پر سلوٹیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے بڑے ہمدرد ہیں، اچھے خاصے خوش حال پڑوسی ہیں۔ ریٹائرڈ لیکھ پال۔ بہت ہی ایمان دار اور شریف ہیں۔ اچھی خاصی کھیتی ہے، ٹریکٹر ہے، ٹرک ہے۔ پیپر منٹ کی فیکٹری بھی ہے۔ جتنے بڑے امیر ہیں، اُتنے ہی شریف بھی ہیں۔"

"امیر اور شریف، یہ تو میں پہلی بار سُن رہی ہوں۔ بیٹا آلوک! امیر تو شریر ہوتے ہیں۔ لیکھ پال کی یہ خوش حالی اور اُس کی ایمان داری اور شرافت دونوں ہی کو مشکوک بناتی ہے۔ لیکھ پال کی تنخواہ ہوتی ہی کتنی ہے؟" —— پھلوں کی کنڈیا آگے سرکاتے ہوئے ساس نے کہا۔

"کچھ بھی ہو ماتا جی! ہماری نظر میں تو وہ بہت بھلے آدمی ہیں اور اگر آپ کی بات صحیح بھی ہے تو بھی کیا؟ والمیک ڈکیت سے سَنت بن گئے تھے۔ آدمی کا کیریکٹر بھی تو بدلتا رہتا ہے۔ اُنھوں نے ملازمت کے دَوران کچھ بھی کیا ہو

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

مگر اب وہ ٹھیک ٹھاک آدمی ہیں۔"

"ٹھیک ہے! چھوڑو اس بات کو، یہ بتاؤ تم دونوں نے کہیں آنا جانا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ "اکثر اڑوسی پڑوسی مجھ سے شکایت کرتے ہیں۔ کسی کے دُکھ میں شریک ہونے سے اُس کا دُکھ گھٹتا ہے اور خوشی میں شریک ہونے سے خوشی بڑھتی ہے۔"

"کیا کروں ماتا جی! نرملا کہیں جاتی ہی نہیں۔ کملا کے لڑکے کی سال گرہ سے لوٹنے کے بعد اُس میں یہ تبدیلی واقع ہوئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہاں کوئی اپمان جنک بات سامنے آگئی ہو"——

ساس نے مُدبّرانہ انداز میں کہا۔

"نہیں ماتا جی! میں ساتھ تھا۔ میری نظر میں ایسی کوئی بات نہیں۔ بیکار کسی کو کیوں دوش دیا جائے۔ بہت اچھی طرح پیش آئے تھے وہ لوگ۔ جا تو وہ یہیں سے نہیں رہی تھی۔ نہ جانے کی وجہ بھی کچھ نہیں بتا رہی تھی مگر میں نے اندازہ لگا لیا اور ماتھر صاحب کے گھر سے چار ساڑیاں اور کچھ گہنے لے آیا تاکہ احساسِ کمتری ختم ہو جائے۔ وہ پہن کر چل دی اور لب تک نہیں ہلائے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی، میرا اندازہ صحیح نکلا۔"

"گئی تو خوش خوش اور آئی اُداس؟" "بات بھی کچھ ہوئی نہیں؟ اور اس کے بعد سے اُس نے ہر جگہ آنا جانا بند کر دیا؟"——ساس اسی قسم کے کئی سوال کر کے گم سُم بیٹھ گئی جیسے کہ وہ خود ہی جواب تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آلوک نے کہا——"میں نے اُس سے گھر آکر اس کا کارن پوچھا تو اُس نے کہا——'امیروں کے گھر غریب رشتہ دار کو نہیں جانا چاہیے'۔ بڑے بھولے انداز میں کہہ کر وہ پھر چپ ہو گئی۔ ابھی تک میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ یا تو اُس کے مانگے ہوئے کپڑے اور گہنوں کا راز فاش ہو گیا ہے جس سے اُس کو خجالت اُٹھانی پڑی ہے یا کسی نے ایسی بات کہہ کر اُس کی بے عزتی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کی ہے جو اُسے ناگوار گزری ہو۔ مگر میں نے پھر بھی اُس کا دِل کُریدا۔ دہ بولی۔
—— "شام کو جب ساری عورتیں ایک جگہ بیٹھی ہوئی چائے پی رہی تھیں تو بملا نے ایک دوسرے کا تعارُف کرایا۔ تعارُف میں ہر عورت کی ہستی پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ میں سمجھتی ہوں، یہ بدتمیزی بھی ہے اور بدتہذیبی بھی۔ تعارُف میں رشتہ ناتا بتانا تو ٹھیک ہے۔ بہت سے بہت اُس شخص کی ذاتی خوبیوں کا بیان بھی مناسب ٹھہرایا جاسکتا ہے، مگر وہاں تعارُف کی بنیاد رکھی گئی تھی دولت پر۔ شاید بملا نے بعد کو اِس غلطی کا احساس بھی کیا ہوگا۔ جب میرا نمبر آیا تو اُس نے کہا——
—— "یہ میری چھوٹی بہن نرملا ہے۔ اِس کے پتی ایک بینک میں آفیسر ہیں۔"
—— وہ کلرک بھی کہہ سکتی تھی، مگر اُس نے میری عزّت افزائی کے لیے جھوٹ بولا۔ پھر بھی میں اندر سے خوش نہیں ہوئی۔ کیوں کہ میرے تن پر مانگے کے کپڑے ہی مجھے شرمندہ کر رہے تھے۔ یہ چھوٹی عزّت بھی بارِ گراں محسوس ہونے لگی۔ میں سب کے ساتھ ہنسی خوشی اُٹھی بیٹھی، بات چیت کی مگر میرا ہر انداز بناوٹی بنا رہا۔ وہاں میں نے محسوس کیا کہ امیر عورتیں مغرور ہو جاتی ہیں۔"

آلوک کے مُنھ سے بیٹی کی یہ باتیں سُن کر ساس نے اندازہ لگا لیا کہ نرملا نے اِسی وجہ سے کہیں بھی آنا جانا بند کر دیا ہے۔ وہ سنجیدگی کے ساتھ کچھ سوچنے لگیں اور آلوک چائے بنانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد آلوک نے ساس کی خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا——
"ماتا جی! اِس کے بعد وہ پھر کہیں بھی نہیں گئی اور نہ میں نے کہیں جانے کے لیے اُس پر زور ڈالا۔ وہ جذباتی عورت ہے۔ میں اُس کی نیچر کے خلاف اِس سے کوئی کام کروا کے اُس کے پھول سے نازک دِل پر ضربِ کاری نہیں کرنا چاہتا۔ وہ ایک آدرش ناری ہے، ایک دیوی ہے، لکشمی ہے۔ اُس میں خودداری ہے، اخلاص ہے، انسانیت ہے۔ میں اُس کی قدر کرتا ہوں۔ ایسی بیوی بڑی مُشکل سے ملتی ہے۔ میرے تو پہلے جنم کے کچھ کرم اچھے تھے جو......" آلوک

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

باتوں میں اتنا بے سُدھ تھا کہ چائے اُبل کر پتیلی سے نکل آئی۔ اُس نے جلدی جلدی اِسٹوو بند کیا۔

داماد کے مُنھ سے بیٹی کی تعریف سُن کر ساس پھولی نہیں سمارہی تھی۔ اُس نے آلوک سے کہا ـــــ "بیٹا جب وہ کہیں نہیں جاتی تو تم ہی ہو آیا کرو، سماج کے رسم و رواج کو نبھانا تو بہت ضروری ہے۔" ـــــ یہ سُن کر آلوک بولا ـــــ "ماتا جی! میں اُس کے بغیر کہیں بھی نہیں جاؤں گا اور اب تو ہمارے کہیں آنے جانے میں اور بھی اڑچن آگئی ہے۔ کیوں کہ میری ماں موتیا بند کی وجہ سے اچھی طرح دیکھ نہیں پاتیں، اِس لیے اُنھیں تنہا چھوڑ کر ہم کہیں نہیں جا سکتے۔ بیچاری پیراسائٹ ہو کر رہ گئی ہے۔"

"بیٹا تم بالکل ٹھیک کہتے ہو، ویسے نرملا کی صحت کیسی ہے؟"

"ارے دِن! بالکل کشمیری سیب ہو رہی ہے۔ آتی ہی ہوگی، دیکھ لینا، اُسے کوئی دُکھ تھوڑی ہے۔ وہ اپنی گھریلو زندگی سے بالکل مطمئن ہے۔ اگر عورتوں کو کوئی غم نہ ہو تو وہ سوکھی روٹی میں بھی مکھناکھی بن جاتی ہیں۔ وہ بالکل مست ہے۔ کبھی کبھار جی اُچاٹ ہو جاتا ہے تو پکچر کا پروگرام بنالیتی ہے۔ میں کبھی اُس کی رائے میں مخل نہیں ہوتا کیوں کہ اُس کی ہر بات پورے رکھ رکھاؤ کے ساتھ کسی نہ کسی اُصول پر مبنی ہوتی ہے اور اکثر وہ کئی باتوں میں مجھے مات دے دیتی ہے۔"

"کیا کہا، تمھیں مات دے دیتی ہے؟" ـــــ ساس نے قدرے حیرانی سے کہا۔

"جی ہاں! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ایک دِن وہ ماتا جی کے سامنے کھانے کی تھالی رکھ کر پانی لینے چلی گئی تھی۔ واپس آئی تو دال کی کٹوری میں مکھی پڑی تھی۔ اُس نے ماں کی تھالی میں سے دال کی کٹوری اُٹھا کر اپنے حصے کی دال ماں کو دے دی۔ جب میں باہر سے آیا اور نرملا کو چٹنی سے کھانا کھاتے دیکھا تو پوچھنے پر

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

حقیقت کھلی۔ میں نے کہا مکھی نکال کر پھینک دیتی، دال کا کیا بگڑ گیا تھا۔ ماں کو کون سا دکھائی دیتا ہے۔ یہ سن کر اُس نے خفگی سے کہا —— "بے شک ماتا جی کی آنکھیں نہ سہی لیکن بھگوان اندھا نہیں ہے۔ اُسے تو سب کچھ نظر آتا ہے"۔
یہ سن کر میں لاجواب ہو گیا۔ یہ ہے نا مات کھانے والی بات!"
یہ سن کر ساس مسکرانے لگیں اور اپنی بیٹی میں اخلاقی بلندی کا جذبہ دیکھ کر اُن کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ ساس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو مکان کے کونے میں ایک اڈہ کھڑا دکھائی دیا جس پر کمر بند کا تانا تنا ہوا تھا۔
"یہ کیا ہے؟" دانستہ ساس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔
"نرملا اِس اڈے پر کمر بند بُنا کرتی ہے" —— فخریہ انداز میں آلوک نے کہا۔
"ہمارے یہاں تو وہ یہ کام نہیں جانتی تھی۔ یہاں کس سے سیکھ لیا؟" سر کے بال سہلاتے ہوئے ساس نے پوچھا۔
"شریمتی ماتھُر سے سیکھا ہے، نرملا نے یہ ہنر۔ وہ بھی کسی وقت کمر بند بُن کر بازار میں بیچا کرتی تھیں"۔
"اِتنے مالدار کی بیوی ہو کر بھی اِتنا چھوٹا سا دھندا کرتی رہی ہیں؟"
"ہمارے ملک کی غریبی میں اِضافہ کا باعث یہ ایک خیال بھی ہے۔ جب کوئی مالدار آدمی کوئی معمولی کام کرتا ہے تو دیکھنے والے ٹوکتے ہیں —— 'ارے آپ اِتنے بڑے آدمی ہو کر یہ کام کر رہے ہیں'۔ —— حالاں کہ محنت سے کام کرنا بُرا نہیں ہوتا۔" —— آلوک نے لہجے میں مضبوطی لاتے ہوئے کہا ——
"اب ہر غریب کو اپنی غریبی دور کرنے کے لیے مقدر کے دائرے سے نکل کر عمل کا راستہ اپنانا ہو گا۔"
"تم ٹھیک کہتے ہو، پرانے طریقے سے جینے والے لوگ ترقی نہیں کر سکتے۔ کتنے روپئے روز بچا لیتی ہے، نرملا اِس دھندے سے؟"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"یہی کوئی خرچ نکال کر دو تین روپئے روز!"

"بڑی ہشیار اور کفایت شعار ہو گئی ہے۔"

"جی ہاں! یہی وہ خوبی ہے جو عورت میں ہو تو گھر بن جائے اور وزیرِ اعظم میں ہو تو ملک سنور جائے۔ اس کے علاوہ بھی اس میں کئی خوبیاں ہیں جن کو سن کر آپ حیرت زدہ ہو جائیں گی۔"

ایک بار کملا نے ہماری غریبی پر ترس کھا کر نرملا کو اپنے گھر والوں سے پندرہ ہزار روپے کوئلے کی ٹکلی کا دھندہ کرنے کے لیے دیے تھے۔ نرملا نے روپے تو لے لیے مگر کسی بھی دھندے میں نہ لگا کر اس روپیہ کو پیشگی دے کر دو ٹرکوں کا نمبر بک کرا دیا۔ یہ سب ماتھر صاحب کی مہربانی کا نتیجہ تھا۔ مجھے کسی نے اس امر کی ہوا تک نہ دی۔ جب نمبر آ گیا تو ماتھر صاحب نے بلیک میں بیچ ڈالا جس سے پینتس ہزار روپے حاصل ہوئے۔ نرملا نے پندرہ ہزار تو فوراً کملا کو واپس کر دیے اور بیس ہزار ڈاک خانے میں فکس ڈیپازٹ کرا دیے جو چھ سال بعد چالیس ہزار ہو گئے۔ مگر بندوں کی آمدنی سال بھر تک جوڑ کر گیہوں کی فصل بازار میں آنے پر گیہوں خرید لئے جو گیارہ مہینے بعد اچھے منافع پر بیچ ڈالے۔ وہ اسی طرح روپئے کا لوٹ بدل کرتی رہتی ہے۔ میں جو کچھ کماتا ہوں، اس سے گھر کا کام چلتا ہے۔"

"کیا وہ تم سے کسی بھی کام میں مشورہ نہیں لیتی؟"

"ماتھر صاحب جو صلاح مشورے کے لیے ہیں!"

"کتنی عمر ہے اُن کی؟" ——— ساس نے فوراً متجسسانہ انداز میں پوچھا۔

"اکہتر سال کے ہیں۔"

یہ سنتے ہی ساس کا چہرہ کھل اٹھا۔ آلوک نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ——— "اب وہ ایک ٹرک لینے کی اسکیم بنا رہی ہے جس کو وہ چلوائے گی۔ اب وہ بیوپار کے ٹیکٹ سیکھ گئی ہے۔ اگر ماتھر صاحب کچھ دلوا دیں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

اور رہ گئے تو اُس کو کاروباری طور پر اور بھی پختہ بنا دیں گے۔ اپنی بیٹی کی طرح سمجھتے ہیں۔ اُن کی بیوی بھی اُن ہی کی طرح نیک عورت ہے۔ وہ ایک بار نرملا کو اپنے ساتھ شادی میں لے گئی تھی۔ جیسے وہ کملا کے یہاں سج دھج کر گئی تھی ویسے ہی اُن کے ساتھ بھی بن سنور کر گئی فرق یہ تھا کہ اُس روز اُس کے جسم پر ہر شے مُستعار نہ تھی، بلکہ اُس روز اُس کے جسم پر ہر شے اپنی تھی۔ لیکن گئی تو اُسی روز کی طرح خوش خوش تھی اور جب واپس آئی تو ایسی ہی اُداسی چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔ اُس دن تو میں نے اُس کی اُداسی کا کچھ اندازہ لگا بھی لیا تھا مگر آج میں اُس کی اُداسی کا کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکا۔ میں نے اِس اُداسی کا سبب اُس سے پوچھا تو بولی ——

"میں جن کے ہاں تقریب میں شریک ہونے گئی تھی وہ بہت ہی معمولی حیثیت کے لوگ تھے۔ میرے جیسے کپڑے وہاں آئی ہوئی عورتوں میں سے کسی نے بھی نہ پہن رکھے تھے۔۔۔۔"

وہ یہ سب کچھ کہہ رہی تھی کہ میں نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا —— "پھر تو بہت بڑھیا بات ہوئی!" یہ سُن کر وہ خوش نہیں ہوئی بلکہ اُداسی کے ساتھ بولی "کسی کی بے عزتی پر خوش ہونا اچھی بات ہوتی ہے یا بُری؟" —— اُس کا یہ سوال میرے گال پر طمانچہ سا لگا۔ میں خاموش ہو گیا کیوں کہ اُس کے سوال کا جواب صرف خاموشی ہی تھا۔ وہ دَم بھر ٹھہر کر میری طرف پھر متوجّہ ہوئی —— "جو عورت مجھے دیکھتی تھی، جھینپ جاتی تھی۔ جس معیار کے لوگ دعوت میں ہوں، اُسی معیار کا لباس پہن کر شریک تقریب ہونا مناسب رہتا ہے، ورنہ دوسروں کو شرمندگی ہوتی ہے۔ یعنی امیروں کی چمک دمک غریبوں کی بے عزّتی کا باعث بنتی ہے۔ اگر مجھے پہلے پتہ چل جاتا تو میں معمولی کپڑے پہن کر جاتی۔"

"بتاؤ ایسی عورت کو کیا کوئی اچھا کھلائے اور پہنائے۔ لو وہ آ گئی" —— نرملا کی طرف اشارہ کر کے آلوک نے کہا۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"اماں جی نمستے! آپ کو آئے ہوئے کتنی دیر ہو گئی؟"

"آشیرواد بیٹی! خوش رہو۔ میں ابھی آئی ہوں، بیٹھو۔ تم اتنی سادہ کیوں رہتی ہو؟"

اُس کی ماں نے پوچھا۔ حالاں کہ انھیں تو اس سوال کا جواب آلوک نے پہلے ہی دے دیا تھا، مگر بات کرنے کے لیے بھی تو کوئی بات چاہیئے۔ نرملا نے مسکرا کر جواب دیا ——

"سادگی ہی ایک ایسا گناہ ہے ماں! جو ہر شریف انسان کی عزت بڑھاتا ہے اور مجھے یہ گناہ پسند ہے۔" ○○

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

نرالا تعویذ

"جو چاہو گے وہی ملے گا، غلط ثابت کرنے والے کو ایک لاکھ نقد انعام۔ میرا پتہ .... سُبرامنیم سوامی، سروپ پریس کوٹھی۔ امبھا جھاری۔ ناگ پور، مدھیہ پردیش۔" میں نے سائیکل سے اُتر کر بھیڑ کے پیچھے سے اُچک کر بورڈ پڑھا۔ میں بھوت، پریت، ڈوری تعویذ میں یقین نہیں کرتا تھا۔ لیکن ایک لاکھ کے نقد انعام کی شرط نے میرے وِشواس کا ٹانا ذرا ہلا دیا اور میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ غلط چیز بیچنے والا سرِبازار اِتنے بڑے انعام کی شرط اور پورے پتے کے ساتھ مشتہر نہیں کرے گا۔ میں نے آلوؤں کے ڈھیر میں گرے ہوئے سکّے کو ڈھونڈنے والے کی طرح بھیڑ کو اِدھر اُدھر بچایا اور آگے بیٹھے ہوئے سادھو تک پہنچ گیا۔ اُس نے نیچے ایک چادر بچھا رکھی تھی، جس پر شری نہرو جی، شری لال بہادر شاستری جی، شری راجندر پرشاد جی اور شری متی اندرا گاندھی جی کے فوٹو اور اُن کے دستخطوں کے ساتھ اُن کی آرار الگ الگ شیشوں میں فریم کی ہوئی رکھی تھیں۔ میں نے سب کچھ بغور دیکھا اور ایک تعویذ لینے کو تیار ہو گیا۔ میں نے باوا سے پوچھا ——

"ایک تعویذ کا کیا مول ہے؟"

"صرف پانچ روپے!" —— پانچوں اُنگلیاں دِکھاتے ہوئے اُس نے مہذّب طریقے سے جواب دیا۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"کیا سچ مچ یہ تعویذ ہر خواہش پوری کرسکتا ہے۔" ـــــ میں نے بھی دھیرے سے پوچھا۔

"جی ہاں ! " یقین کامل کے ساتھ اُس نے سینہ تان کر کہا۔

"اِس کا اثر کتنے دِنوں میں ہوتا ہے ؟"

"پسینے کی بوندیں پیتے ہی" اُس نے گلہری کی پونچھ سی مونچھیں مروڑتے ہوئے جواب دیا۔ میں اِس بات کا مطلب سمجھ نہیں پایا۔ خریداروں کی بھیڑ اتنی تھی کہ کچھ بھی سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں تھا۔ پھر بھی میں نے اتنا تو کہہ دیا ـــــ "آپ بہت بڑے سِدّھ پُرش معلوم ہوتے ہیں۔"

"جی ہاں !" ـــــ اُس نے سَن کی گچھی سلجھاتے ہوئے کسان کی طرح گنگا جمنی لمبی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اس کے تعویذ دھڑا دھڑ بک رہے تھے۔ مجھے ایک دھڑکا یہ بھی تھا کہ کوئی جاننے پہچاننے والا مجھے تعویذ خریدتا نہ دیکھ لے۔ بات بھی صحیح تھی جو شخص ایسی دقیانوسی باتوں کی سماج میں ہمک ہمک کر مخالفت کرتا ہو، وہی خود تعویذ خریدتا دیکھا جائے تو کتنی بات رہ جائے گی۔

میں نے جلدی سے گھر کے سامان خریدنے والے روپیوں میں سے پانچ کا نوٹ نکالا اور آگے بڑھا دیا۔ پل بھر کو میں نے خود سے کہا کہ کوئی سستی سی اور وزن میں کم چیز خریدلوں گا اور گھر جاکر بیوی سے مہنگی اور وزن میں زیادہ بتاکر پانچ روپے کا حساب ٹھیک ٹھاک ہوجائے گا۔ وہ ٹھہری بھولی بھالی گھر میں رہنے والی عورت، بازار بھاؤ تو بڑے بڑے گھاگھوں کو بھی پتہ نہیں چلتا اور میں تو حساب کتاب سمجھانے میں پہلے ہی سے ماہر تھا۔ پڑھنے کے زمانے میں ہزاروں کا فرضی حساب سمجھا کر ماں باپ سے اینٹھے ہوئے روپیوں سے تفریح کی تھی اور اب تک حقیقت کا پتہ نہیں چلا۔ سادھو نے نوٹ اپنی جیب میں سرکاتے ہوئے تعویذ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اُسے جیب میں کھونستے ہوئے ایک بات اور پوچھی ـــــ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"باوا ! آپ نے کسی پر آزمایا بھی ہے ؟"

یہ سُنتے ہی اُس نے پانی سے باہر آئے ہوئے غوطہ خور کی طرح بال سنبھال کے، آنکھیں نکال کے سختی سے کہا ـــــ "یہ سب کچھ کا ہے کا ثبوت ہے، پڑھ نہیں لیتے۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے میری بولتی بند کر دی اور میں چپ چاپ وہاں سے کھسک لیا۔

راستے میں میرے دماغ کے پٹارے میں ایک سوال کے ناگ نے پھن اُٹھایا۔ اگر اِس تعویذ کو کہیں بھی باندھا۔ بیوی نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا ؟ بھید چھپائے نہ چھپے بات بنائے نہ بنے۔ میں نے تمام نشیب و فراز سوچتے ہوئے سڑک کے کنارے بنی ایک لیٹرین میں جاکر اُس تعویذ کو کچھے میں پن سے چسپاں کرلیا۔

کئی دِن ہوگئے مگر ابھی تک کوئی اثر معلوم نہیں ہوا۔ جس مطلب سے اُس کو خریدا تھا، وہ دُور تک پورا ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک دم مجھے یاد آیا۔ پسینے کی بوندیں پیتے ہی اثر کرنا شروع کر دے گا۔ جاڑے کے دِن تھے، پسینہ کیوں آنے لگا تھا۔ میں نے پسینہ لانے کی جُگت لگائی۔ بہت دِنوں سے ایک چکّی گھر میں رکھی تھی، جس کو اب کام میں بالکل نہیں لایا جاتا تھا۔ میں نے ایک کلو گیہوں پیسنے شروع کر دیے۔ خوب زور سے پاٹ گھمایا۔ بیوی گھَرر گھَرر کی آواز سُن کر ـــــ "ارے یہ کیا کر رہے ہو ؟ یہ کیا کر رہے ہو ؟" کہتی ہوئی باتھ روم سے باہر نکل آئی اور قریب آتے ہی پولیس انسپکٹر کی طرح بولی ـــــ "یہ کیا ہو رہا ہے ؟"

"میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ چکّی کارآمد ہے یا یوں ہی بیکار گھر گھیر رہی ہے۔"

"کم سے کم اِس تجربے سے یہ پتہ تو چل ہی جائے گا کہ اگلے وقتوں میں عورتیں کتنی محنت کرتی تھیں" ـــــ وہ یہ کہتی ہو چلی گئی۔ واقعی کام محنت کا تھا، اِسی لیے تو وہ عورتیں تندرست ہوتی تھیں۔ مجھے پسینہ آگیا تھا۔ میں نے چکّی بند کر دی۔ ماتھا پونچھا۔ اُسی وقت بیوی نے پاس آکر دھیرے سے پوچھا ـــــ

"دیکھ لیا چکّی کارآمد ہے یا بیکار"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"ٹھیک ہے !" ــــــ میں نے مختصر سا جواب دیا۔ میری سانس پھول رہی تھی۔ دِل دَھک دَھک کر رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا تعویذ نے پسینہ پی لیا ہے۔ اب ضرور اثر کرنے لگے گا۔ میں خوش تھا، مگر دھیرے دھیرے کئی دِن بیت گئے۔ تعویذ کا کوئی اثر دِکھائی نہیں دیا۔ میں ہمّت کر کے چھت پر جا چڑھا ڈر کے مارے ہاتھ پیر پسیج رہے تھے مگر بُزدِل کے پاس رِیوالور کی طرح میرا تعویذ ہمّت بندھائے ہوئے تھا۔ میں نے زور زور سے سیٹی بجائی، کھانسا مٹھارا مگر وہ نہیں آئی۔ "کیا بات ہے ؟" ــــــ میں نے خود سے سوال کیا۔ پھر پیچھے مُڑ کر دیکھا، کہیں میری بیوی تو نہیں دیکھ رہی ہے، کوئی نہیں تھا۔ بے فکری سے چھجّے سے آگے جُھک کے جھانکا۔ جیسے ماتھے پر کٹی ہوئی لٹیں لٹک جاتی ہیں۔ وہ سویٹر بُن رہی تھی۔ جب میرا سایہ اُس کے صحن میں پڑا تو اُس نے اچانک مُنھ اُٹھا کر اِس طرح اوپر کو دیکھا، جیسے مُنڈیر پر بندر ہو۔ یہ دیکھ کر وہ مُسکرائی اور پھر بُنائی میں مشغول ہو گئی۔ اُس کی بھابی رسوئی میں ناشتہ بنا رہی تھی۔ شاید اِسی لیے اُس نے محبّت کو پیر دل چلنے سے روک لیا تھا۔ میں بھی موقع غنیمت جان کر پیچھے ہٹ گیا اور یہ سوچتے ہوئے نیچے اُتر آیا کہ ہنسی اور پھنسی۔ تعویذ نے کچھ کچھ اثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ میں اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا اور رامائن کھول کر سامنے رکھ لی اور سوچتا رہا کہ چھت پر جانے کے لیے کوئی معقول بہانہ ہونا چاہیئے، ورنہ باہر والے تو لعد کو چرچیں گے، گھر میں بیوی کان کھا جائے گی۔ اِس معاملے میں پتنگ بازی سب سے اچھّا بہانہ لگا۔ لیکن میں یہ جانتا نہیں تھا۔ آج تک کبھی ڈوری بھی ہاتھ سے نہیں چھوئی تھی۔ جو بھی ہو، میں نے ہٹلر کی طرح ارادہ کر لیا اور دِن نکلتے ہی مانجھا پتنگ لے آیا۔ تعویذ تو کچّھے میں چُھپا لیا تھا مگر مانجھا اور پتنگ کیسے چھپتی اور میں نے اُسے چھپانے کی سوچی بھی نہیں، لا کے دونوں چیزیں کھونٹی پر ٹانگ دیں۔ میں نے پتنگ خریدتے وقت

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کئی جواب سوچ لیے تھے۔ کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ میری بیوی ضرور. بِدکیگی۔ وہ چُپ رہنے والی کہاں تھی۔ اُس نے دونوں چیزیں دیکھتے ہی سوال داغا ــــــ

"اِس بے پر پنچھی کا کیا ہوگا ؟"

"پندرہ دِن بعد چھڑیوں کا میلہ ہے۔ تم جانتی ہو، وہاں پتنگیں اُڑائی جاتی ہیں جیتنے والے انعام پاتے ہیں۔ اِس سال میں بھی تیاری کروں گا" ــــــ میں نے اُسے بڑے پیار سے سمجھایا مگر چکنے گھڑے کی طرح اِس پر تمام باتیں بے اثر ثابت ہوئیں اور اُس نے کہا ــــــ

"پندرہ دِن تک اِس الجھاس میں جو سمے بتاؤ گے وہ سمے کسی خاص کام میں لگاؤ تو کتنا اچھا ہو۔ اِس عمر میں پتنگ بازی اچھی لگتی ہے؟ کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا۔ تھوڑی دیر کو مان لو انعام بھی مِل گیا تو کیا زندگی کٹ جائے گی۔ گرہست آدمی کو بہت سوچ کر چلنا چاہیے۔"

" زندگی کا مقصد کھانا کمانا ہی تو نہیں ہوتا ہے عزّت سے جینا بھی تو ضروری چیز ہے۔ کیا مجھے انعام ملنے پر تمھیں خوشی نہیں ہوگی؟"

"خوشی کی باتیں کر رہے ہو، مجھے تو پریشانی ہو رہی ہے، پتنگ اُڑانے والے آسمان پر دیکھتے ہیں، زمین پر چلتے ہیں۔ اگر کہیں بے ٹکے گر گئے تو ہڈّی. پسلی ٹوٹ جائے گی، اوّل تو آپ کو انعام ملنا ہی نہیں ہے۔"

کہتے کہتے اُس نے السیشین کُتیا کی طرح نتھنے اوپر نیچے کیے اور ــــ "رسوئی میں دال جل رہی ہے" ــــــ کہتی ہوئی چلی گئی۔

"آپ کی باتوں میں میری دال لگ گئی" ــــــ جھُنجھلاتے ہوئے اُس نے رسوئی ہی میں سے زور سے کہا۔

میں جھٹ پٹ پتنگ لے کر چھت پر چلا گیا۔ اب مجھے بیوی کا کوئی ڈر نہیں رہا تھا کیوں کہ وہ دال گلنے کے خیال سے مجھے دیکھنے چھت پر نہیں آئے گی اور میں من مانی کرتا رہوں گا۔ میں نے پتنگ اُڑانی شروع کر دی مگر وہ نہیں آئی ،

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

میں کھا لسا مٹھار ابھی۔ ایک بار جب میں اُسے دیکھنے کو چھجّے سے نیچے جھانک رہا تھا، میری پتنگ غوطہ کھا کر ایسی اوپر کو اُٹھی کہ بجلی کے تاروں میں اُلجھ گئی، میں نے بہتیری کھینچا تانی کی مگر وہ اُلجھتی ہی گئی۔ میں نے ہار کر جھک مار کر مانجھا توڑ لیا۔ شام کو پتہ چلا کہ وہ گھر پر ہی نہیں تھی، مجھے بڑی تکلیف ہوئی۔ سر مُنڈاتے ہی اولے پڑے۔ اگلے دِن پھر ایک پتنگ لے آیا۔ پیلے رنگ کی۔ کہتے ہیں کہ یہ رنگ شُبھ ہوتا ہے۔ اگلے دِن جب چھت پر پہنچا تو پچھوا ہوا چل رہی تھی، یعنی پتنگ پورب کو اُڑتی اور میری محبوبہ کا مکان میری پیٹھ کے پیچھے ہو گیا۔ اب کیا کروں، پتنگ پر نظر رکھوں یا پیچھے مُڑ مُڑ کر دیکھوں۔ ہوا میرے خلاف تھی۔ یہ اچھا شگن نہیں تھا۔ اِس میں تعویذ کیا کر سکتا تھا۔ میں نیچے اُتر آیا تتّے بھات کی طرح تمام اُمنگوں کو دبا کر بیٹھ گیا۔ روز ہوا کا رُخ دیکھتا رہا۔ کم بخت ہوا پچھوا ہی چلتی رہی۔ بیوی نے جلے پر نمک چھڑ کا ــــــــــ

" پتنگ کا ابھیاس کیوں ختم کر دیا ؟ کیا ارادہ بدل دیا یا پتنگ باز بن گئے؟"

"ہوا خلاف ہے !" ــــــ میں نے مصنوعی مُسکان کے ساتھ جواب دیا۔

"تم بہت خوش نصیب ہو جو ہوا خلاف ہے" ــــــ کہتی ہوئی بیوی رسوئی میں چلی گئی۔ مجھے اُس کا ایک ایک لفظ دِل پر ہتھوڑے کی طرح لگا۔ بڑا غصہ آیا۔ مگر میں نے کچھ نہیں کہا۔ بلکہ ٹھنڈے دِل سے سوچنے لگا کہ شاید یہ ٹھیک ہی کہتی ہو۔ میں نے پتنگ اُڑانا بند کر دیا۔ کہتے ہیں جس کام کی شروعات بگڑ جاتی ہے اُس کا انجام بھی بھلا نہیں ہوتا۔ میری لمبی خاموشی پر اُس نے پھر ایک دِن طنزیہ کہا

" ابھیاس پورا ہو گیا ؟ "

اِن الفاظ کا کیا مطلب تھا، میں سب سمجھ گیا تھا۔ پھر بھی میں اِس پر بگڑا نہیں بلکہ سنجیدگی سے جواب دیا ــــــ "تم دیکھتی نہیں ہو ایک طرف بجلی کے تار ہیں، ایک طرف ٹیلی فون کے، ہوا بھی خلاف ہے۔ میں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔"

"گاندھی پارک میں کیوں نہیں چلے جاتے ؟ وہاں تو کوئی بھی رُکاوٹ نہیں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ہے" ـــــ اتنا کہہ کر وہ پل بھر کو چپ ہو کر پھر بولی "مگر چھت پر پتنگ اڑانے کا جو مزہ ہے وہ میدان میں کہاں؟"

پتہ نہیں کیا سوچ کر اُس نے کہا تھا مگر میں نے یہ سمجھ لیا کہ ضرور یہ میری حقیقت کو پہنچ گئی ہے۔ میں بناوٹی ہنسی ہنستا ہوا کمرے میں چلا گیا۔ اب مجھے یہ بہانا بھی بے جان سا لگنے لگا۔ میں نے جھنجھلا کر ڈور اور پتنگ سیور لائن میں پھینک دی۔ میں نے اسی میں خیریت سمجھی۔ آگے خطرہ ہی خطرہ تھا۔ کیوں کہ مجھے اپنی بیوی کے ان الفاظ سے راز فاش ہونے کی جھلک دکھائی دیتی تھی ورنہ وہ یوں کیوں کہتی کہ پتنگ اڑانے کا مزہ میدان میں نہیں چھت پر ہے۔ پہلے تو کبھی کبھار محبوبہ کے درشن بھی ہو جاتے تھے مگر جب سے یہ کم بخت تعویذ آیا تھا، تب سے اُس کا چہرہ بھی دکھائی دینا بند ہو گیا۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ جس طرح میری بیوی نے مجھ پر نظر رکھنی شروع کر دی ہے، اُسی طرح محبوبہ کے ماں باپ نے بھی اُس کی حرکتوں پر نگرانی شروع کر دی ہے۔

اب مجھے اس تعویذ پر غصہ آنے لگا۔ میں نے اس تعویذ کو نکال کر ایسا مسوسا جیسے کوئی کھٹمل کو مسلتا ہے۔ تعویذ دبی زبان میں کہہ رہا تھا ـــــ "اورنگ زیب کی طرح مجھ بے زبان کو کیوں ستاتے ہو، اس مکّار سے کیوں کچھ نہیں کہتے سنتے۔" میں نے دل میں پکّا ارادہ کر لیا اور ناگپور جانے کی تیاری شروع کر دی۔ وہی ناگپور جہاں کے سنترے مشہور ہیں۔ جی ہاں سنترے جو سب کے دانت کھٹے کر دیتے ہیں۔ میرے پاس اس چھلیا کا پورا پتہ موجود تھا۔ بیوی سے دفتر کے کام سے ناگپور جانے کا بہانہ بنا کر میں چل پڑا۔ ایک عیب چھپانے کے لیے کتنے سوانگ رچانے پڑتے ہیں۔ میں منزل پر پہنچ گیا اور طوفانی سمندر کی ناہموار سطح پر ڈانواڈول ناؤ کی طرح ڈگمگاتے ہوئے دل کو سنبھالا اور نہایت عاجزی انکساری سے اس چالو باوا کو آواز دی۔ تین منزل کی شاندار کوٹھی، اس میں پریس، چھوٹا سا خوب صورت لان، فیئٹ کار۔ اگر یہ سب کچھ باوا جی کا ہے تب تو تعویذ ضرور بااثر ہے۔ کہیں مجھ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

سے ہی کوئی بھول نہ ہو گئی ہو۔ اِس طرح میں سوچ بچار میں ڈوبا تھا کہ بادا باہر آئے
"آیئے پدھارئیے آیئے!" نہایت ادب کے ساتھ اُس نے میرا سواگت کیا۔ میرا
آدھا غصّہ تو ختم ہو چکا تھا۔ جیسے دہی کھا کر مرچ کی چرپراہٹ کم ہو جاتی ہے۔ وہ
مجھے خوش خوش اندر بیٹھک میں لے گیا اور ایک صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولا
"میرے لائق کوئی خدمت۔"
میں نے یہ سُنتے ہی سمجھ لیا کہ وہ مجھے کوئی تعویذ کا خریدار سمجھ رہا تھا۔ میں نے
کہا ــــــ "آپ مجھے پہچانتے ہیں؟"
"شری مان جی میں تمام بھارت میں گھومتا ہوں۔ لاکھوں لوگوں سے ملاقات
ہوتی ہے۔ میں ایک ایک کر کے کسی کو نہیں پہچانتا مگر مجھے سب جانتے پہچانتے
ہیں۔ پھر بھی دُنیا میں ہر انسان، انسان کا بھائی اور دوست ہے اور اِس طرح
آپ میرے اپنے ہوئے۔ ــــــ مینا! انکل کے لیے چائے لاؤ!!"
بادا نے اپنی بات پوری کی۔ میں اُس کی اِس ظاہرہ خاطر داری اور شرافت
سے بہت مُتاثر ہوا۔ میں نے کہا ــــــ "شکریہ! میں راستے میں کھا پی کر آ رہا
ہوں۔ آپ کوئی تکلیف نہ کریں!!"
"راستے کا کھایا پیا گھر تک آتے آتے ہضم ہو جاتا ہے۔ اور سُنائیے!"
"یہ سب آپ ہی کی مایا ہے؟" ــــــ میں نے جائداد کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے سوال کیا۔
"جی نہیں! یہ تعویذ کی مایا ہے۔"
"آپ تو بڑے آدمی ہیں بادا! جس دِن آپ سے میں نے تعویذ خریدا تھا،
اُس دِن آپ کو ایک معمولی سا آدمی ہی سمجھا تھا۔"
"محنت مشقّت سب کو بڑا بنا دیتی ہے بیٹا! تعویذ کے سلسلے میں کوئی
شکایت ہے کیا؟"
"ہاں بادا! پندرہ بیس دِن ہو گئے مجھے اِس کا کوئی اثر ہوتا دِکھائی نہیں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

دیتا۔"

"یعنی تم ایک لاکھ روپے لینے آئے ہو۔ بیٹا میرے تعویذ کو جھٹلا کر اِس دھرتی کے پردے پر کوئی بھی مجھ سے بطور جُرمانے کے ایک پیسہ بھی نہیں لے سکتا۔ میری شرط بغور نہیں پڑھی آپ نے۔ اِس میں لکھا ہوا ہے " ایک لاکھ انعام " — ایک لاکھ کیا —؟ یہ کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص مجھے مقدّمے میں ہرا بھی دے تو میں ایک لاکھ خس خس کے دانے بھی دے سکتا ہوں۔"

یوں کہہ کر میرا ردّ عمل جاننے کے لیے ٹھہرا۔ میں دِل ہی دِل میں کہہ رہا تھا، یہ شخص بہت چالاک ہے۔ کِسی کے ہاتھ میں نہیں آئے گا۔ حقیقت میں اُس نے بورڈ پر صرف " ایک لاکھ نقد انعام " لکھا تھا۔ میں نے در پردہ اپنی ہی ہار مانتے ہوئے اُس سے انکساری کے ساتھ کہا ———

"نہیں بابا! میں آپ سے ایک لاکھ روپے انعام لینے نہیں آیا ہوں اور نہ ہی آپ کے تعویذ کو غلط ثابت کرنے " ——— اِس طرح میں نے اپنی ساری رام کہانی اُس کو ایسے سُنا دی جیسے مریض ڈاکٹر سے کچھ نہیں چھپاتا ہے۔ وہ میرا درد ناک افسانہ سُن کر سنجیدہ ہونے کے بجائے ہنسنے لگا۔ خوب ہنسا۔ اُس کی چھاج سی داڑھی بار بار ہلتی رہی۔ میں اُس کے ہنسنے پر سمجھ رہا تھا کہ وہ میری بے وقوفی کی کھِلّی اڑا رہا تھا۔ آدمی ذہین تھا۔ اُس نے مجھے سُست مست دیکھ کر جلدی ہی ہنسنا بند کر دیا جیسے گودام کے پھاٹک گرا دیے جاتے ہیں۔ دھیرے دھیرے اُس کی آنکھوں میں چھلچھلاتے آنسو گرم روٹی پر رکھی مکھن کی ٹکیا اور بلیاکھ کی طرح غائب ہو گئے۔ وہ سنبھل کر بیٹھا اور سنجیدگی سے بولا ——— "بیٹا! ایک بار میں دِلّی گیا تھا۔ شری نہرو جی کی کوٹھی کے سامنے بیٹھا اپنے تعویذ بیچ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد گیٹ کیپر نے آکر ڈانٹا اور کہیں دوسری جگہ چلے جانے کو کہا۔ میں نے ایک نظر اس کو دیکھا اور سامان باندھتے ہوئے کہا —— " ابھی جاتا ہوں!" میں نے کھڑے ہو کر جاتے جاتے اُس کی صحت کی تعریف کرنا شروع کر دی۔ رشوت

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

اور تعریف میں وہ جادو ہے کہ پتھر کو بھی پگھلا دیتی ہے۔ چنانچہ وہ کچھ نرم ہو گیا۔
میں پھر بولا ــــ "بھائی صاحب! میں ایک کلاکار ہوں اور بھارت کے پردھان منتری کلاکاروں کا سمان کرتے ہیں تو پھر آپ مجھے ایسے بے عزت کیوں کر رہے ہیں؟ کیا آپ کو ایسا کرنے کا حق دیا گیا ہے؟" ــــ یہ سنتے ہی وہ ہریانوی لہجے میں بولا ــــ "تم کیا کلا جانتے ہو؟"

میں نے سوچ سمجھ کر وہی باتیں لکھ دیں جو تم نے بورڈ پر پڑھی تھیں۔ وہ میرے اس پرچے کو لے کر اندر گیا۔ مجھے فوراً حضور میں حاضر ہونے کا حکم ہوا۔ میری باچھیں کھل گئیں۔ میں پہنچا۔ ادب سے نمستے کی۔ اُن کے پیر چھونے کو آگے جھکا۔ مگر انھوں نے پیر نہیں چھونے دیے اور مسکرا کر بولے ــــ "تم لوگوں کو دھوکا کیوں دیتے ہو؟"

میں جواب میں بولا ــــ "حضور! میں کسی کو دھوکا نہیں دیتا، بلکہ ترقی کرنے کا خوب صورت راز اور ایک بند پیغام دیتا ہوں۔ آپ میرے تعویذ کو کھول کر دیکھ سکتے ہیں۔"

انھوں نے فوراً تعویذ کھول کر پڑھا اور وہ ہنسنے لگے اور بولے ــــ "تمھارا تعویذ تو قسم چندر گپت، نپولین، شواجی، مہارانا پرتاپ، واشنگٹن، نیلسن اور شہباس کی اس ساری دنیا میں قابلِ تعریف بنا رہے گا۔ سچ مچ جو چاہو گے، وہی ملے گا۔ ضرورت اس تعویذ کے اُپدیش پر عمل کرنے کی ہے۔" ــــ اتنا کہہ کر انھوں نے پاس ہی بیٹھے لال بہادر شاستری، راجندر پرساد جی اور اندرا گاندھی کو بھی وہ تعویذ دکھایا۔ سب نے اُس پر لکھا ہوا پڑھا۔ اُن کو ہنسی آگئی۔ سب نے تعریف کی اور ایک ایک تعویذ خرید لیا۔ شاید اس طریقے سے انھوں نے حق شناسی کا ثبوت دیا تھا اور میری غریبی کی مدد کی تھی ورنہ اُن کے پاس کیا کچھ نہیں تھا۔ ایک پریس رپورٹر نے سب کی الگ الگ رائے تحریر کی اور میرے فوٹو لیے۔ بس اُسی دن سے میں نے اِن مہاپرشوں کے فوٹو اور اُن کی اپنی اپنی رائے فریم کے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ساتھ رکھنی شروع کر دی۔ یہاں سے میری زندگی کا سُنہرا موقع اور زمانہ شروع ہُوا۔"

"کیا جو تعویذ اِن لوگوں کو دیا تھا، وہی مجھے بھی دیا تھا یا گھٹیا میڈیکل ایجنٹ کی طرح دوا کا نمونہ کچھ اور دوا کا آرڈر کچھ اور والی بات کر دی تھی۔"

"کھول کے دیکھ لو بیٹا! بالکل ایک ہی منتر ہے۔" ——— باوا نے بازی جیتے ہوئے پہلوان کی طرح تن کے کہا۔ میں نے کھول کے پڑھا۔ میں دنگ رہ گیا۔ یہ آدمی واقعی اعلیٰ دماغ کا تھا۔ وہ کہیں بھی مات کھانے والا نہیں تھا۔ میں نمستے کر کے چلا آیا۔ جب گھر میں قدم رکھا تو سُنا کی بہو میری بیوی سے کہہ رہی تھی "بہن جی!"

میں نے تھلے کی آڑ میں چپ چاپ کھڑے ہو کر سنا ———

"ذرا اپنے پتی دیو کے کانوں میں تو ڈالو۔ وہ میرے پتی کو سمجھا دیں۔ وہ ایک تعویذ خرید کر لائے ہیں۔ کہتے ہیں جلدی لکھ پتی بن جاؤں گا۔ کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ رجسٹری آفس جائے بِنا دس پندرہ دِن ہو گئے ہیں۔ پہلے تو جائدادوں کی خرید و فروخت میں ہزار بارہ سو روپے لے کر شام کو گھر میں داخل ہوتے تھے۔ اب کانی کوڑی بھی گھر میں نہیں آتی۔ ایسا ہی ڈھنگ رہا تو کسی دِن لکھ پتی بننا تو درکنار بچے دانے دانے اور پیسے پیسے کو محتاج ہو جائیں گے۔"

میں نے اُس کی ساری باتیں سُن کر آگے بڑھ کے کہا ——— "بہو جی! تم گھبراؤ مت! میں نے چھپے چھپے تمھارا سارا دکھڑا سُن لیا ہے۔ تم گھر جاؤ اور انھیں یہاں بلا لاؤ۔ میں اُن کو راہِ راست پر لے آؤں گا اور وہ کل سے دفتر بھی جانے لگیں گے اور لکشمی برسنے لگے گی۔" میری بات سُنتے ہی وہ بطخ کی طرح مٹکتی ہوئی چلی گئی اور اُنھیں لے آئی۔ میں نے کہا ———

"رجسٹرار صاحب! سُنا ہے کچھ دنوں سے آپ دفتر نہیں جاتے ہیں؟"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"آپ کو یہ پوچھنے کا کیا حق ہے؟"

"ایک پڑوسی کے ناطے مجھے یہ حق ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ اچھے پڑوسی کے ناطے مجھے میرے سوال کا جواب بھی دیں گے۔"

میری بات سُن کر وہ کچھ نرم ہو گئے مگر جواب نہیں دیا۔ میں خود ہی بولا ——

"آپ نے جس تعویذ کے پیچھے سارے کام دھندے بند کر رکھے ہیں، اُس کو کھول کر بھی دیکھا ہے، اُس میں کیا لکھا ہے؟" یہ سُن کر وہ ایسے چونکے جیسے کوئی طالب علم فیل ہو گیا ہو اور اخباروں میں وہ پاس ہونے والوں میں چھپ گیا ہو۔

"نہیں تو!" —— رجسٹرار صاحب نے کہا۔

"آج دیکھ لو!" یہ سُنتے ہی اُنھوں نے بازو میں بندھا تعویذ کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ اُس میں لکھا تھا ——

"جو چاہو گے وہی ملے گا اگر محنت مشقّت کرتے رہو گے"

یہ پڑھتے ہی رجسٹرار صاحب پر اوس سی پڑ گئی۔ جیسے کسی کا نمبر نکل آنے کے بعد لاٹری کا ٹکٹ کھو گیا ہو۔ ○○

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

گرے ہوئے کو اُٹھانا

وِشنو کو دیکھتے ہی ایک مزدور نے راج مستری کے قریب جاکر دھیرے سے کہا ــــ "معلوم ہوتا ہے سا ہو صاحب کہیں باہر چلے گئے ہیں ورنہ اُن کے لڑکے کو یہاں آنا نہیں پڑتا۔ پتہ نہیں کِس مزاج کا ہے؟" یہ سُنتے ہی راج مستری نے مزدور کو ہدایت کی کہ کام سنبھال کر اور پھُرتی سے کرو اور دوسرے مزدوروں سے بھی کہہ دو کہ کام ہوشیاری سے کریں۔ لہٰذا مزدور نے دوسرے مزدوروں کو بھی اِشاروں ہی اِشاروں سے سا ہو کے بیٹے کی آمد کی اِطلاع کر دی۔ چنانچہ سب اپنے اپنے کام میں پھُرتی سے لگ گئے۔ کوٹھی کی ڈیڑھ منزلیں تیّار ہو چکی تھیں۔ تیسری منزل پر لِنٹل ڈالنے کا کام چل رہا تھا۔ کچھ مزدور نیچے سے اوپر اینٹیں پہنچانے کا کام کر رہے تھے۔ وِشنو بھی اُدھر ہی چلا گیا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ ہاتھوں ہاتھ اینٹیں کیسے اوپر تک پہنچائی جاتی ہیں۔ کیا مجال جو ایک بھی اینٹ کسی کے ہاتھ سے پھسل جائے۔ مرد عورت دونوں ہی کے ہاتھ اور نظریں کافی سدھے ہوئے تھے۔ وِشنو ہاتھوں ہاتھ اوپر جاتی ہوئی اینٹوں کو بھی دیکھ رہا تھا اور دل ہی دِل میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ بار بار اینٹوں کو پکڑنے اور پھینکنے میں پوروں پر رگڑ تو پڑتی ہی ہے، اِن کے ہاتھ گھِس جاتے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ہوں گے۔ پیٹ تو سبھی بھرتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کو اپنے پیٹ بھرنے کے لیے بہت ہی محنت مشقت کرنا پڑتی ہے۔

"بابوجی! ذرا نیچے کے کھڑے ہو جاؤ۔ کوئی اینٹ گر گئی تو چوٹ لگ جائے گی" ___ نیچے کھڑی عورت نے وشنو کو یہ کہتے ہوئے خبردار کیا۔ یہ سنتے ہی وہ چھجے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

"کیا کبھی تمھارے ہاتھ سے کوئی اینٹ چھوٹی ہے؟" ___ وشنو نے پوچھا۔

"گرتی بھی ہے اور کبھی کبھی چوٹ بھی کھا جاتے ہیں مگر زیادہ تر ہم گرتی ہوئی اینٹ سے سابدھان ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ گرتی ہوئی اینٹ ایک دم تو نیچے آ نہیں جاتی ہے۔" ___ سامنے کھڑی عورت نے جواب دیا۔

وشنو چھجے کے نیچے پیچھے ہٹ کر اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس طرح کھڑے ہونے سے پاڑ پر کھڑا کوئی مزدور اُس کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ صرف سامنے کھڑی عورت ہی اُس کو دیکھ سکتی تھی۔ مزدور عورت کے جسم کی سندر بناوٹ اور پیارے ناک نقش دیکھ کر وشنو دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ اگر یہی کسی امیر کی دلہن ہوتی اور بن سنور کر رہتی تو بہت ہی خوبصورت لگتی۔ بھگوان کہیں کہیں غریبوں میں بھی کمال کا حسن پیدا کر دیتا ہے۔ وشنو بغور اُس کے انگ انگ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ عورت بھی کنکھیوں سے دیکھ لیتی تھی۔ ایسے موقعوں پر عورت کو اپنی قیمت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اور اُس کی اداؤں میں دلربائی آ جاتی ہے۔ مگر اوپر پاڑ پر اُس کا شوہر اینٹیں پکڑ رہا تھا اور وہ جوکھم کا کام کر رہی تھی۔ اِس لیئے وہ ذرا بھی بہکی نہیں اور مستقل مزاجی سے کام کرتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اندر چلا گیا اور کھڑکی پر کھڑا تاک جھانک کرتا رہا۔ وہ جتنا اُس کے جسم کو دیکھتا، اتنی ہی دیکھنے کی خواہش اور بڑھتی۔ عورت کی یہی کشش تو آدمی کو دیوانہ بنا دیتی ہے۔ عورت بھی اچھی طرح جائزہ لے رہی تھی۔ اُس کے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

دِل میں بھی ایک بات آئی۔ وہ ہاتھ جھاڑ کر اینٹوں کے ڈھیر پر بیٹھ کر بولی ـــــ

"میں تو تھک گئی۔ تم بھی بیڑی پی لو !"

شوہر اوپر سے بولا ـــــ "مالک چلا گیا دیکھے ہے ورنہ ابھی نہ تھکتی۔"

"مالک کو گئے ہوئے تو بہت دیر ہو گئی۔" ـــــ عورت نے جھوٹ بولا۔

دِشنو نے اُس کو اُنگلی کے اِشارے سے اندر بُلایا۔ وہ چلی گئی۔

"کیا کام ہے ؟" ـــــ دِلکش مُسکراہٹ کے ساتھ اُس نے سوال کیا۔

"تمہارا کیا نام ہے ؟"

"لکشمی! ـــــ یہ تو تم باہر بھی پوچھ سکتے تھے" ـــــ اُس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"باہر تو تمھاری طرف دیکھنے میں بھی خطرہ تھا۔ کہاں رہ رہی ہو؟"

"آپ کی کوٹھی کے پیچھے ایک جھونپڑی میں۔"

"لکشمی تو محلوں کی چیز ہے۔ جھونپڑی میں کیسے ؟ کیا تم رات کو نو بجے یہاں آ سکتی ہو ؟"

یہ سُنتے ہی وہ چُپ ہو گئی اور طرح طرح کی باتیں سوچنے لگی۔ لکشمی کی خاموشی پر دِشنو نے اُس کے کندھے پر دھیرے سے ایسے ہاتھ رکھا جیسے نئی ناگن پر سپیرا ہاتھ بڑھاتا ہے۔

"تم نے کچھ کہا نہیں ؟"

"میں کیا کہوں ! تم ایک امیر آدمی ہو۔ میں ایک غریب مزدور ہوں۔ اگر تمھاری حرکت کسی نے دیکھ لی تو سمجھتے ہو سماج میں کیا ہو گا ؟ مُنہ دکھانے کے لائق بھی نہیں رہو گے !"

"میں سماج کو ہنسنے کا موقع نہیں دوں گا۔"

"بیٹھا جگنو کسی کو نظر نہیں آتا ہے، اُڑتا ہوا سب کو نظر آتا ہے۔"

"یہ سوچنا میرا کام ہے۔"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"اچھا !—— کہتی ہوئی لکشمی باہر نکل گئی اور اینٹیں اُٹھا کر اوپر پھینکنے لگی۔
"پھرتی سے کام کرو! کوئی دیکھ لے گا تو مالک سے شکایت کر دے گا۔"
"مالک سے شکایت کر کے کوئی ہمارا کیا کرے گا۔ یہی کہ کچھ کہا سُنی ہو جائے گی۔ وہ ہمیں نکال تھوڑے ہی دے گا۔ پڑھے لکھے دس نکالو ہزار آجائیں گے، لیکن ہمارے ساتھ یہ بات نہیں چلے گی۔ قلم کے ہاتھ اینٹیں نہیں ڈھو سکتے۔"
مان سنگھ نے لکشمی سے کہا۔ لکشمی نے اپنے شوہر مان سنگھ کی کوئی بات نہیں سُنی۔ وہ تو اپنے دل سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ پیچھا چھڑانے کے خیال سے ہاں تو کر دی مگر جلدی جلدی میں کچھ سوچا سمجھا نہیں۔ جب وہ نو بجے آئے گا اور مجھے نہیں پائے گا تو دن نکلتے ہی میری اور میرے شوہر کی نوکری چلی جائے گی۔ اس کی وجہ بھی نہیں پوچھی جا سکے گی اور کسی خوشامد در آمد سے بھی کام نہ چل سکے گا۔ مجھے ہر حال میں وہاں جانا ہوگا۔ اب تو حالات سے سمجھوتہ کرنے ہی میں بھلائی ہے۔ عورت کا دُشمن آدمی نہیں، اُس کا اپنا حُسن و شباب ہوتا ہے۔ اِس طرح وہ اینٹ ہاتھ میں لیے سوچ بچار میں غلطاں تھی۔ اُس نے کھڑکی کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا۔ وِشنو ابھی وہیں کھڑا تھا۔ اُسے اچانک آدمی کی نفسی کمزوری پر ہنسی آگئی۔
"کس بات پر ہنس رہی ہے؟"—— مان سنگھ نے سختی سے پوچھا۔
بات بناتے ہوئے لکشمی نے کہا—— "میں یہ سوچ کر ہنس رہی تھی کہ آدمی آدمی سے کتنا ڈرتا ہے۔ بھگوان سے کوئی نہیں ڈرتا۔"
اس طرح لکشمی نے اپنے ہنسنے کی اصلی وجہ بھی چھپالی اور مان سنگھ کا شک بھی دُور ہو گیا۔ لکشمی کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات جنم لے رہے تھے۔ اُس کی پہلی ہی اینٹ اوپر تک نہ پہنچ کر نیچے گر گئی۔
"ذرا دیر آرام کر کے ہاتھ خراب کر لیا! بچ گئی۔ سر پھوٹ جاتا"——
CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri
اوپر سے مان سنگھ نے کہا۔

"سر پھوٹ جائے مگر بھاگ نہ پھوٹے"——— دوسری اینٹ اُچھالتے ہوئے لکشمی نے دھیرے سے کہا اور کھڑکی کی طرف کنکھیوں سے دیکھا۔ وِشنو جا چُکا تھا۔ وِشنو دوسری طرف ہو رہا کام دیکھ کر پھر اِدھر آیا اور مان سنگھ سے بولا———

"مان سنگھ! تم دو مہینے سے ہمارے یہاں کام کر رہے ہو۔ ہمدرد آدمی ہو۔ میں چاہتا ہوں آج شام کو تم مُنیم جی کے ساتھ دہلی سریا لینے چلے جاؤ۔ ایک سے دو اچھے ہوتے ہیں۔ میں تمہیں رات کی مزدوری بھی دوں گا۔"

"رات کی مزدوری مِلنے نہ مِلنے کی کیا بات ہے مالک؟ آپ ہی کا کھاتے ہیں۔ سیوا ہی سے سیوک کا بھاگ اُجاگر ہوتا ہے۔ مالک کا حکم ہمارے لیے بھگوان کا حکم ہے"——— مان سنگھ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے! میں پروگرام بناتا ہوں"——— یہ کہہ کر وِشنو چھجّے کے نیچے ہو کر لکشمی سے کچھ اِشارہ کر کے چلا گیا۔ لکشمی نے مُسکراتے ہوئے سر جُھکا لیا، جیسے طوفان میں نازک پودے سلامتی کے لیے سر جُھکا دیتے ہیں۔

وعدے کے مطابق لکشمی کمرے پر پہنچ گئی۔ وِشنو وہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔ کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُس نے کہا———

"مجھے اُمّید نہیں تھی کہ تم میرا کہنا مان جاؤ گی۔"

"لکشمی وِشنو کا کہنا نہ مان کر کہاں رہے گی؟"

"میرے دِل میں!"

"گھڑی دو گھڑی کے لیے؟"

"نہیں لکشمی! ہمیشہ کے لیے! میں تمھیں پیار دوں گا، عزّت دوں گا۔ دُنیا میں ہر طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ کچھ مطلب نکلنے کے بعد بھول جاتے ہیں، کچھ احسان مانتے رہتے ہیں۔"

"جب تمھاری شادی ہو جائے گی تو کیسے کروگے؟"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"ایک میان میں دوٗ تلواریں نہیں رہتیں مگر ایک تلوار میں دوٗ دھاریں تو رہ سکتی ہیں" ____ دونوں ہاتھوں سے لکشمی کو سینے سے چمٹاتے ہوئے وِشنو نے کہا۔

"میرے کپڑوں سے بدبو آرہی ہے" ____ لکشمی نے دھیرے سے کہا۔

"مگر تمہارا جسم، تمہارا دِل، تمہارا پیار تو خوشبودار ہے۔ کپڑوں سے آدمی کی قیمت نہیں آنکی جاتی ہے۔ میں تم سے مِل کر بہت خوش ہوں۔ لو یہ سوٗ کا نوٹ لے جاؤ" ____ وِشنو نے کپڑے سنبھالتے ہوئے کہا۔

"پیاس کی طرح بھوک بھی کئی طرح کی ہوتی ہے۔ اُسے اپنی جیب میں سنبھال کر رکھ لو۔ میں اس کی بھوکی نہیں ہوں" ____ چارپائی پر سے کھڑے ہوتے ہوئے لکشمی نے جواب دیا۔

"کاہے کی بھوکی ہو؟" ____ وِشنو نے پیار بھری نظروں سے اور لطیف انداز میں پوچھا۔

"تمہاری ہمدردی اور پیار کی بھوکی ہوں۔ اِس نوٹ کو لینے کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں اپنی عزّت بیچنے آئی ہوں۔"

یہ سُن کر وِشنو کچھ کہنے کے لیئے مناسب بات سوچتا ہی رہ گیا اور لکشمی یہ جا، وہ جا۔ وِشنو بے دلی سے نوٹ اپنی جیب میں رکھ کر چلا آیا۔ لکشمی نے ہمیشہ کے لیئے اُس کو خرید لیا تھا۔

رات بھر لکشمی کو اپنے جسم میں وِشنو کے معطّر جسم کی خوشبو کا احساس ہوتا رہا اور وہ اِس خوف سے دِن نکلنے تک سو نہ سکی کہ صبح کو اُس کا شوہر اس خوشبو پر مشکوک نہ ہو جائے۔ دِن نکلے وہ کام پر جا لگی اور پسینے نے خوشبو کو دبا لیا۔

وِشنو لکشمی سے مِلنے کا دیر سویر کبھی نہ کبھی موقع نکال ہی لیتا تھا۔ دس بارہ مہینے میں کوٹھی کا کام مکمل ہو گیا۔ مزدوروں کو کم کر دیا گیا۔ مگر وِشنو نے مان

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

سنگھ کو کوٹھی کی چوکیداری پر رکھوا دیا اور وہیں رہنے کو جگہ بھی دے دی۔ بھگوان نے لکشمی کو ایک خوب صورت لڑکا دیا۔ لکشمی کا چہرہ تو کنول کی طرح کھل اُٹھا، مگر مان سنگھ اُداس ہو گیا تھا کیوں کہ لڑکا گورا، چٹا خوب صورت تھا اور ۔۔۔ وِشنو کی شکل سے ملتا تھا۔ اب مان سنگھ کو لکشمی کے چلن پر شک ہو گیا۔ وہ اُس پر کڑی نظر رکھنے لگا۔ اپنی کوٹھی میں اُسی کو چوکیدار رکھنے کی مہربانی بھی اُس کو وِشنو کی چال معلوم ہونے لگی۔

کچھ ماہ بعد وِشنو کی ایک حسین لڑکی سے شادی ہو گئی۔ مان سنگھ کا لڑکا بھی کچھ بڑا ہو گیا، جو بھی کوئی اُس کو دیکھتا تھا، بچے کی بہت تعریف کرتا۔ لیکن جب کوئی یہ کہتا ——— "لکشمی تیرا لڑکا ماں باپ پر تو گیا نہیں ہے، بالکل وِشنو کی صورت سے ملتا ہے" ——— تو اُس کے دل پر بڑی چوٹ لگتی اور وہ اندر ہی اندر کُڑھنے لگتا۔ آپسی حالات بگڑتے دیکھ کر ایک دِن مان سنگھ کی عدم موجودگی میں لکشمی نے وِشنو سے کہا ———

"اب میں چاہتی ہوں کہ یہاں سے کہیں دوسری جگہ چلی جاؤں۔ جو کچھ آنے جانے والے لڑکے کے سلسلے میں کہتے ہیں اگر تمھاری بہو جی بھی ویسے ہی کہنے لگیں تو میرا اور اُن کا جیون جہنم بن جائے گا۔ اِس لیے تم ہمیں یہاں سے جلد از جلد کہیں اور جانے کا انتظام کر دو۔"

لکشمی کی بات وِشنو کو مناسب معلوم ہوئی اور وہ کان دبا گیا۔ لکشمی اور مان سنگھ یہاں سے کسی دوسرے مکان میں چلے گئے۔ وِشنو نے کسی اپنے عزیز کے مکان پر کام دلا دیا۔ جس سے مان سنگھ بے روزگار نہیں رہا لیکن اُس کو یہ مہربانی بھی اچھی نہیں لگی۔ مگر مان سنگھ نے کبھی دِل کی بات زبان سے ظاہر نہیں کی۔

دونوں کے درمیان تو تو میں میں ضرور ہوتی رہتی تھی۔ بات بات پر لڑنا جھگڑنا روز کا معمول بن گیا تھا۔ مان سنگھ پہلے سے چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ایک

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

دِن اُس نے باتوں باتوں میں کہہ دیا۔

"میں ہی نہیں یہ زمانہ جانتا ہے کہ یہ لڑکا میرا نہیں، وِشنو کا ہے۔ اِس کے جنم پر تو تم خوش ہو سکتی ہے، میں نہیں۔ جس کو آج لوگ میرا نہیں بتاتے، کل بڑا ہونے پر میرا کون بتائے گا۔ یہ نام چلنے کے نہیں، نام ڈوبنے کے لچھن ہیں۔ تو نے میری ناک کٹوا دی۔ غریب کے پاس دولت تو ہوتی ہی نہیں ہے، عزت ہی کے سہارے وہ جیتا ہے۔ آج وہ بھی گئی۔"

جیسے چور خود کو چور کہلوانا گوارہ نہیں کرتا اِسی طرح سچ ہوتے ہوئے بھی لکشمی کو یہ باتیں برداشت نہیں ہوتی تھیں۔ وہ جتنی خود کو بے عیب اور بے خطا ثابت کرنے کی کوشش کرتی۔ اُتنا ہی مان سنگھ کے شک کے شعلے بھڑک اُٹھتے۔ ہوتے ہوتے ایک دِن لکشمی کو مع بچّے کے مان سنگھ نے گھر سے باہر نکال دیا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ آدمی دوسرے کے بچّے کو گود لے کر اپنا بیٹا بنا کر رکھتا ہے، مگر اپنی بیوی کی کوکھ سے جنمے بچّے کو مشکوک حالت میں بن باس دے دیتا ہے۔

وقت کے دریا کے دوسرے کنارے پر آباد شاندار محل میں چائے کی چُسکیوں کے بیچ ساہو صاحب اپنی بیوی سے کہہ رہے تھے ——

"وِشنو کی ماں! آج ہم نے ایک عجیب واقعہ دیکھا۔ رادھو پکچر ہال کے سامنے ایک خوانچہ پر میں چاٹ کھا رہا تھا۔ میرے پتّے پر سے سموسا نیچے گر گیا۔ پاس کھڑی ایک بھکارن نے لپک کر اُسے اُٹھایا اور جھاڑ پونچھ کر کھالیا۔ میں نے اُس سے کہا —— "تم نے گندی جگہ سے کھانے کی چیز اُٹھا کر کھالی۔" اُس نے فوراً کہا —— "کیا دھرتی ماں کی گود گندی ہوتی ہے؟ کیا گرے ہوئے کو اُٹھانا بُری بات ہے؟" —— اُس کے یہ جُملے میرے کانوں میں ابھی تک گونج رہے ہیں اور میں اُن کا جواب ڈھونڈ رہا ہوں۔ اُس کی گود میں ایک بچّہ تھا۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

بہت ہی خوب صورت تھا۔ گورا چٹا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے وہ کسی امیر کا نُطفہ تھا۔ وہ عورت تو ذہین معلوم ہوتی تھی لیکن تھی بد چلن۔"

"آپ کے خیال سے وہ ایسی وجہ سے بد چلن ہے کہ اُس کی گود میں جو بچّہ تھا وہ اُس کی شکل وصورت سے قطعی میل نہیں کھاتا تھا۔ تو کیا وہ آدمی بد چلن نہیں ہوسکتا جس نے اُس غریب بھکارن کی عصمت ریزی کی ہے۔ جب وہ بھوکی تھی، نیچے گری ہوئی چیز اٹھا کر کھا گئی، تو آپ اُسے دیکھتے رہے۔ دو چار سموسے اُس کو دلا نہ دیئے، بیچاری کا پیٹ ہی بھر جاتا۔" ـــــ بیوی نے ساہو صاحب سے کہا۔

"ایک پر ترس کھاتا تو دس پانچ اور آجاتے۔ ہمارے دیش میں بھیک مانگنے والوں کی کمی تھوڑے ہی ہے۔"

وِشنو ماں باپ کی باتیں بغور سُن رہا تھا۔ اُس نے بھکارن سے ملنے کا بہانہ تراشا اور شام کو ایک دوست کے جنم دن کی پارٹی میں شرکت کرنے کی اجازت لے کر گھر سے چلا گیا اور رادھو سنیما ہال کے سامنے اُسے ڈھونڈنے کے لیے جا پہنچا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے لکشمی وِشنو کو ایک سائیکل والے کی دکان کے سامنے جلتے ہوئے ٹائر پر ہاتھ سینکتی مل گئی۔ وشنو نے اس کو اشارے سے ایک طرف لے جا کر کہا ـــــ

"میرے ہوتے ہوئے تم اِس حالت کو کیسے پہنچ گئیں؟"

"لکشمی نے ساری رام کہانی سُنا دی۔ وہ اس کو ایک دھرم شالہ میں لے گیا۔ کھانا کھلایا۔ ایک دکان سے ساڑی، بلاؤز، پیٹی کوٹ خرید کر دیے جنھیں لکشمی نے دھرم شالہ میں نہا دھو کر پہنا۔

"آج سوموار ہے ـــــ!" لکشمی نے کہا۔

"ہاں سوموار ہے، کیا کوئی نئی بات ہے؟" ـــــ وِشنو نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔ تب لکشمی نے اُسے یاد دلایا ـــــ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

"جس دن تم سے پہلی ملاقات ہوئی تھی اور تم نے ہمدردی اور پیار دینے کا وعدہ کیا تھا، وہ دِن بھی سوموار ہی تھا۔ سوموار میری زندگی میں ایک شُبھ دِن بن کر آیا ہے۔"

"اور یہ دِن تمھارے لیے ہمیشہ شُبھ ہی بنا رہے گا۔ میں تمھیں بھیک نہیں مانگنے دوں گا۔ اب تم کمرے میں آرام کرو۔ اندر سے کمرہ بند کر لو۔ میں کل صبح آؤں گا۔"

اس طرح کہہ کر وِشنو چلا گیا اور ایک پراپرٹی ڈیلر سے بات کی۔ مکان دیکھا، پسند کیا، بیعانہ دیا اور گھر چلا گیا۔ اگلے دِن اُس کا بیع نامہ لکشمی اور اُس کے لڑکے سونو کے نام کرا کے نئے مکان میں اُس کو بٹھا دیا۔ ایسے فرشتہ سیرت لوگ بھی اِس دُنیا میں رہتے ہیں۔ لکشمی کو اِس کی بالکل امّید نہیں تھی۔ ہر سوموار کو مندر میں جانے کے بہانے وِشنو لکشمی سے مل لیا کرتا تھا۔ تین چار سال تک کسی کو کانوں کان بھنک نہیں پڑی سونو پانچ سال کا ہو گیا تھا۔ اُس کو اسکول میں داخل کرنے کا وقت بھی آ گیا۔ اُدھر وِشنو کی بیوی کے ابھی تک کوئی بچّہ نہیں ہُوا تھا۔ حَسین ہونے کے ساتھ اولاد ہونا بھی ضروری ہے ورنہ حُسن بھی معیوب نظر آنے لگتا ہے۔

سونو کو داخلہ دِلاتے وقت اُس کے باپ کا نام بھی لکھوانا ضروری تھا۔ وِشنو اپنا نام لکھوانا نہیں چاہتا تھا کیوں کہ اِس طرح وہ اُجالے میں آ جاتا۔ مگر دُنیا کی نظروں سے چھُپا بھی کب تک رہ سکتا تھا۔ حقیقت کو چھُپانا بھی ٹھیک نہیں تھا۔ اِس لیے اُس نے سونو کے باپ کا نام وِشنو لکھوا دیا۔

آٹھ سال ہو گئے مگر وِشنو کی بیوی کے کوئی بچّہ نہیں ہُوا۔ وہ ابھی تک شوکیس کی گُڑیا بنی ہوئی تھی۔ دھیرے دھیرے دوسری شادی کی چرچائیں زور پکڑنے لگیں مگر وِشنو نے کسی کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی۔

وِشنو کی ماں کی آنکھ میں موتیا بند ہو گیا جس کا آپریشن ہُوا مگر وہ بگڑ گیا

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

کیوں کہ پیتھولوجسٹ نے رپورٹ غلط دے دی تھی۔ اُس کو ذیابیطس کا مرض تھا۔ آنکھ میں پس پڑ گیا۔ سیپٹک ہو گیا اور بچنے کی امید نہ رہی۔ ایک دِن اُس نے شوہر سے کہا ——

"اگر میرے پوتا ہوتا تو وہ کندھا لگا دیتا اور مجھے سُورگ ملتا۔ مگر میں کتنی بدنصیب ہوں کہ یہ خواہش ادھوری ہی رہ گئی۔"

یہ سُن کر وِشنو سے چپ نہ رہا گیا اور اُس نے برسوں سے پڑا حقیقت پر سے پردا اُٹھا دینا مُناسب سمجھا ——

"ماں! یہ بات ہے تو میں تجھے پوتا لائے دیتا ہوں۔"

"کیا پوتا بھی بازار سے ریڈیو اور ٹی۔ وی سیٹ کی طرح خریدا جا سکتا ہے؟" —— ماں نے کہا اور بغیر کچھ جواب دیے وِشنو بھاگا بھاگا چلا گیا، اور لکشمی کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔

"کون ہے؟" —— اندر سے آواز آئی۔

"دروازہ کھولو!"

"ارے تم شام کے بجائے سویرے سویرے کیسے آ گئے؟ خیر تو ہے!" —— لکشمی نے سوال کیا۔ وِشنو نے سب کچھ صاف صاف بتا دیا اور ساتھ چلنے کی ضد کی۔ لکشمی کو وہاں جانے میں کچھ تذبذب تھا مگر وِشنو کی بات پر اُسے پورا بھروسہ تھا۔ وہ ساتھ چلی آئی۔ لکشمی نے ماں کے پیر چھوئے۔ سونو نے سب کو نمستے کی۔

"یہ کون ہے؟"

ہر ایک کی زبان پر یہی سوال تھا۔ وِشنو نے حقیقت کا پردہ فاش کر کے سب کچھ بتا دیا۔ یہ سُن کر سب خوش ہو گئے۔ ماں نے دونوں بہوؤں کو پیار کیا اور مل کے رہنے کی رائے دی۔ ساہو صاحب لکشمی کو پہچان گئے اور بولے ——

"بیٹی گئے ہوئے کو لوٹانا اچھی بات ہے اور دھرتی ماں کی گود گندی نہیں ہوتی ہے۔"

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri